McGill University Library
3 103 090 676 4
ISLAMIC
PK1979
A363
1904

This is a reproduction of a book from the McGill University Library collection.

Title: Munāẓirah-yi taqdīr-o-tadbīr : maʻrūf bih Kunzulfavā'id
Edition: [3d ed.]
Author: Aḥmad Dihlavī, Sayyid, 1846-1918
Publisher, year: Lāhaur : Ḵẖādimuttaʻlīm Isṭīm Pres, 1904

The pages were digitized as they were. The original book may have contained pages with poor print. Marks, notations, and other marginalia present in the original volume may also appear. For wider or heavier books, a slight curvature to the text on the inside of pages may be noticeable.

ISBN of reproduction: 978-1-77096-098-5

This reproduction is intended for personal use only, and may not be reproduced, re-published, or re-distributed commercially. For further information on permission regarding the use of this reproduction contact McGill University Library.

McGill University Library
www.mcgill.ca/library

(حق تالیف بحق مطبع محفوظ ہے)

مناظرۂ تقدیر و تدبیر

معروف بہ

کنز الفوائد

یہ رسالہ مضمون نگاری انشا پردازی۔ اردو خوانی ایک عمدہ اور دلچسپ قصہ کے ذریعہ سے طلبا کو سکھاتا اور انہیں اظہار مافی الضمیر و طریق مناظرہ کا مدلل راستہ بتاتا ہے۔ اس کی خوبی کی یہی دلیل کافی ہے کہ اول تو گورنمنٹ نے پسند فرما کر مولف کو دو سو روپیہ کا انعام و متعدد جلدوں کی خریداری فرمائی اور پھر پبلک نے وہ قدر دانی کی کہ مدرسہ اسلامیہ بمبئی تک کی پڑھائی میں داخل ہو گیا۔ اور اب سہ بارہ نظر ثالث ہو کر مع ایزاد خاتمہ و پند منظومہ منشی سید احمد صاحب دہلوی وظیفہ خوار حضور نظام مولف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مولف رسالہ ہذا کی اجازت سے طلباء ہند کے فایدہ رسانی کے واسطے مولوی محبوب عالم صاحب مالک کارخانہ پیسہ اخبار لاہور نے اپنی طرف سے طلباء ہند کے فایدہ اٹھانے کیواسطے

دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۰۶ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبدالعزیز مینیجر کے اہتمام سے چھپا

Dihlavi, Sayyid Ahmad

مُناظرۂ تقدیر و تدبیر

Munāzirah-i taqdīr-o-tadbīr

معروف بہ

کنز الفوائد

یہ رسالہ مضمون نگاری۔ اِنشاپردازی۔ اردو خوانی ایک عمدہ اور دلچسپ قصہ کے ذریعہ سے طلبا کو سکھاتا اور انہیں اظہار مافی الضمیر و طریق مناظرہ کا مدلل راستہ بتاتا ہے۔ اس کی خوبی پر یہی دلیل کافی ہے کہ اول تو گورنمنٹ نے پسند فرماکر مولف کو دو سو روپیہ کا اِنعام و متعدد جلدیں مرحمت فرمائیں اور پھر پبلک نے وہ قدر دانی کی کہ مدرسہ اسلامیہ بمبئی تک کی پڑھائی میں داخل ہو گیا۔ اور اب سہ بارہ نظر ثالث ہو کر مع ایزاد خاتمہ و پند منظومہ منشی **سید احمد** صاحب دہلوی۔ وظیفہ خوار حضور نظام مولف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مولف رسالہ ہذا کی اجازت سے طلباء ہند کے فایدہ رسانی کے واسطے مولوی **محبوب عالم** صاحب مالک پیسہ اخبار نے اپنی طرف سے طلبائے ہند کے فایدہ اُٹھانے کے واسطے

سنہ ۱۹۰۴ء میں

اپنے خادم التعلیم سٹیم پریس واقع لاہور میں چھاپ کر مشتہر کیا

حق تالیف بحق مطبع محفوظ ہے۔

38252

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

M.C.7
D5758

مناظرۂ تقدیر و تدبیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التماسِ مؤلف

جھگڑے سنتے ہو بندہ پروروں کے
آج میرا بھی التماس سنو

درماندہ ابد سید احمد نورمل سکول دہلی کا طالب علم عربسرائے کا رہنے والا جمیع طلباء مدارس کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ اس نیازمند نے ابتدائے شعور سے آجتک کہ بیس برس کا سن ہے۔ مختلف مدرسوں میں تعلیم پائی اور اب حال میں نورمل اسکول دہلی میں پڑھتا ہے۔ خوب غور و تامل سے دیکھا تو سرکار دولت مدار کا منشا اجرائے مکاتب سے تین باتیں پائیں اول تو یہ کہ عوام الناس کو تہذیب اخلاق و حسن آداب کا طریق آجائے۔ دوسرے حصول علم و رسائی ذہن حاصل ہوتا کہ اُس کے ذریعہ سے جہل مرکب سے بچیں۔ تیسرے معاش کے واسطے بھی ایک نوع کا وسیلہ ہو جائے مگر ہم ایسے ناقدر اور بدقسمت ہیں کہ مدرسے ہی جاکر فکر معاش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور علم کی زحمت کشی سے نفرت کرتے ہیں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُنہیں طوعاً وکرہاً طوطے کی طرح یاد کر لیتے ہیں۔ مگر ان کے سمجھنے اور فوائد سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ اور یہ نہیں دیکھتے مصرع کہ

کہ نکتہ داں نشود کرم اگر کتاب خورد

بھائی صاحب ذرا انصاف سے کہو۔ شعر

اگر ہوتا زمانے میں حصولِ علم بے محنت تو بس ساری کتابیں ایک جاہل گھول کر پی لیتا

پھر تمہیں کون پوچھتا کہ کس باغ کی مولی ہو بلکہ تم تو گنتی گنوانیکے واسطے پڑھتے ہو کہ ہمنے آجتک اتنی کتابیں پڑھیں یا حفظ کی ہیں کہ دوسرے کی مجال نہیں اور اگر کوئی اُس علم کا سوال کرے تو شاید اتنا جواب دو کہ ہماری اُس کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے افسوس ہم اتنا نہیں سمجھتے کہ ورق گردانی سے کام نہیں چلتا۔ غور کرنے سے مطلب نکلتا ہے شعر

عالم وہ کیا عمل نہ ہو جس کا کتاب پر بیفایدہ ورق یوہیں غافل اُلٹ گیا

حضرت آدمیت بہت مشکل سے آتی ہے کوئی کام بے مشقت حاصل نہیں ہوتا۔ شعر

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

جب ہماری سرکار نے دیکھا کہ ان کو زحمت کی برداشت کم ہے تو اِس مضمون کا اشتہار دیا کہ ایسی کتابیں تصنیف یا تالیف کی جائیں کہ جو طلبا کے حق میں نہایت مفید ہوں اور مصنف ایسی سلیس عبارت میں لکھے کہ کسی طرح اُن کو ناگوار نہ گزرے بلکہ اُن تاریخوں کی حکایتیں جو مدرسے میں رائج ہیں۔ اِس طرح پر درج کتاب ہوں کہ اوپر کی جماعتوں میں بآسانی مدد دیں۔ اور ایسا دلچسپ مضمون ہو کہ خود بخود طالبعلم کا جی لگے مصنف اور مؤلف کے واسطے معقول انعام بھی تجویز کیا۔ یقین ہے کہ اکثر کتابیں بن گئی ہونگی۔ یہ اشتہار فیض آثار دیکھ کر اِس ہیرزہ سرا کو بھی خواہ لالچ سے خواہ کسی اور باعث سے یہاں تک کتاب لکھنے کا شوق پیدا ہوا کہ آٹھ کوس روز آنے جانے کی رپٹ سے فرصت نہ پائی تو اثنائے راہ میں ہی مضمون سوچا۔ اور گھر پر تاریخوں سے مطابق کرنا شروع کیا۔ جتنے کہ نظر ثانی بھی نہیں کی۔ اور چند روز

میں کتاب بھیجنے کی تجویز کر لی۔ اور یہ بھی نہ جانا کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے کم بخت تو روناشناس خلق تجھے کون پوچھتا ہے۔ پھر جو یہ کتاب بناتا ہے تو کیا سمجھا ہے **مصرع**

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

جہاں سیکڑوں عالم فخر ہندوستان موجود ہوں وہاں کتاب بھیجنی چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مگر بمقتضائے طبیعت **شعر**

دل کو چاہا جس طرح سمجھا لیا　　بیکسوں کی بات کیا گفتار کیا

لکھنا ہی پڑا **شعر**

واقعی بات کی مشکل ہے سمائی دل میں　　لب پہ آئی وہیں جس وقت کہ آئی دل میں

اور اُس پر طرہ یہ ہے کہ خاص اہل دہلی کی زبان میں مطلب بیان کیا ہے۔ جنکے ہر ایک ملک میں ہزاروں دشمن موجود ہیں اور ابھی ان پر ایک ایسا وقت پڑ چکا ہے۔ کہ اس کے اعادے سے پاؤں تلے کی زمین سرکی جاتی ہے۔ کہ وہ بیچارے فلک کے مارے یہاں تک تباہ و برباد ہوئے کہ اُن کے دانت کریدنے کو تنکا نہ بچا۔ ایک مدت تک دربدر خاک بسر پھرتے رہے۔ کسی نے ذرا پناہ نہ دی۔ جو لوگ دہلی کی خاک سے موتی رولتے تھے۔ انھوں نے یہ کج ادائیاں کیں کہ جنکے پاس جاتے۔ صاف جواب پاتے **قطعہ**

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند　　کس کی حاجت روا کرے کوئی
جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب　　کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

یہ اُسکا منہ دیکھتے رہ جاتے اور اپنے دل میں کہتے خدا کی شان ہے کہ جہاں جاتے ہیں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اور کوئی بھی منہ نہیں لگاتا **شعر**

یارب زمانہ ہمکو مٹاتا ہے کس لئے　　لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہیں ہم

غرض ہر ایک ادنےٰ و اعلےٰ نے اسقدر لوٹا کہ کسی کے چھپر پر پھوس نہیں رہا باوجودیکہ اس چرخ کہن نے ظالمانِ دہلی کا نام ونشان مٹا دیا کیونکہ **شعر**

سب ہی کا یوں تو فلک ماہ و سال دشمن ہے — کمال والوں کا لیکن کمال دشمن ہے

مگر صاحبو ابھی خدا کے فضل وکرم سے اس زبان کو ترقی ہے بخت نہ رہا بلندی رہگئی **قطعہ**

بولتے ہیں جسے اردوئے معلےٰ احباب — ایہا الناس ہے وہ خاص زبانِ دہلی
فلک پیر نے مٹی میں ملایا سب کو — پھرتے ہیں خاک بسر پیر و جوانِ دہلی
رہگئے کہنے کو کچھ کچھ ہیں فسانے باقی — اب نہ دہلی ہی رہی اور نہ زبانِ دہلی۔

چشم بد دور خدا خدا کر کے سرکار معدلت شعار کی محض پرورش و عین نوازش سے ازسرنو رونق پکڑی ہے۔ **شعر**

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب — خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

القصہ چند فایدہ مند باتیں دیکھ کر اس کتاب کنز الفواید کو تین باب پر منقسم کیا اور اس طرز پر لکھا کہ۔

اوّل نصف باب میں جسکو مفید المدارس کہتے ہیں۔ طالب علم کی زبان صاف ہو نشست الفاظ و تناسب عبارت کا طریق آجائے۔ اور آخر کے نصف میں کچھ کچھ طبیعت پر زور پڑے اور مبتدی کو معلوم نہ ہو۔ علم مجلس و آداب کی باتیں آجائیں۔ اتمام مطلب پر بھڑنے کی عادت ڈالنے کے واسطے حسب موقع اکثر بزرگوں کے اشعار نصیحت آمیز لکھ دیئے ہیں حتی المقدور اس باب میں فارسی کے الفاظ بھی کم لکھے ہیں۔ اور جن طلبا کو نظم کا حفظ نہ ہو۔ اُن کے واسطے کچھ طلسمات و فلسفہ کی باتیں تجویز کی ہیں۔ اور جو اس سے بھی مس نہیں رکھتے ہیں ان کے لیئے تاریخوں میں سے ایک دلچسپ کار آمد قصہ بنا کر مناظرے کے طور پر گفتگو کی ہے۔ تاکہ حافظہ بڑھے۔ اور قوت بیانی کو ترقی ہو۔ اور جو شخص علم تاریخ

سے واقف ہو اُسکو اس علم کا مزا آجائے۔ اور جسکو یہ علم نہ ہو اُسے سیکھنے کا شوق پیدا ہو اور تاریخ کی قدر جانے غرض سب طرح سے طالب علم کی طبیعت کو مائل کتاب کیا ہے تاکہ اُس کا خود بخود جی لگے ۔

دوسرے باب موسوم بسیر دانش میں دلایل عقلی و علمی سے بحث کی ہے اُس مین یہ فایدے منظور ہیں کہ اول تحقیق لغت و اصطلاح کا حال معلوم ہوجائے۔ دوسرے عقلی گفتگو کی تمیز حاصل ہو۔ اور اُسکے وسیلے سے طبیعت کو زیادہ رسائی ہو اور جو دانائی سے بہرہ رکھتا ہو بیان کا حظ اور تقریر کا لطف اُٹھائے۔ جسکو اتنی سمجھ نہ ہو۔ وہ اس کے لطیفے اور چٹکلے دیکھ کر ایسی لیاقت حاصل کرنے میں کوشش کرے۔ اور اس باب میں افعال و انسان کی قسمیں دیکھ کر اول باب کے بادشاہوں میں دیکھے اور یہ خیال کرے کہ اس میں فلانا بادشاہ کس قسم کا انسان ہے آیا حازم یا عازم یا عاجز ہے اور اس نے کونسی قسم کا فعل کیا کہ جس سے وہ بدنامی یا نیکنامی کا باعث ہوا اور اگر شبہ ہو تو اپنے اُستاد سے دریافت کرے وہ انکی تعریف دیکھ کر سمجھا دینگے کہ یہ فلانے فعل کا نتیجہ ہوا۔ غرض اس بات سے ترقی ذہن منظور ہے۔

تیسرے باب موصوف بہ کنز الحکمۃ میں قول فیصل ہے جس میں بادشاہ منصف معین نے اس سارے مناظرے کا فیصلہ کیا ہے۔ اُس سے تعلیم طریق انصاف منظور ہے جو طالب علم اس ڈھنگ سے واقف ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ اس کا فیصلہ یوں ہی مناسب تھا یا کسی اور طرح ممکن تھا اگر کچھ خلاف سمجھے گا تو اُسکو مدرس صاحب سمجھا دیں گے۔ اور جن لڑکوں کے ذہن میں یہ باتیں نہ آئیں گی۔ وہ آپس میں فیصلہ کرکے اُستاد کی رائے سے مطابق کیا کریں گے۔ غرض اگر پسند سرکار ہو تو ہر طرح سے یہ کتاب نافع الخلق ہے ورنہ لغو اور پوچ سے بھی بدتر کیونکہ مصرع

ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است

اب خدا سے یہ دعا ہے کہ میری محنت کو ٹھکانے لگائے۔ اور اس کتاب کو مقبول سرکار فرمائے۔ آمین اور اپنا تو یہ قول ہے شعر

بناکر فقیروں کا ہم بھیس غالب تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

آغاز داستان

رباعی

اس بزم میں جو صف ہے بہم جنگ میں ہے ہنگامۂ تقدیر دل تنگ میں ہے
کیا دیر و کلیسا کی شکایت کیجے جس پیٹے کو دیکھو وہ نئے رنگ میں ہے

کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں سلطان محقق نہایت بڑا اور عظیم الشان پادشاہ تھا اور اُس کے دو وزیر ایک مقدر الدولہ دوسرا مدبر الدولہ بہت منہ چڑھے اور بے تکلف تھے۔ پادشاہ سلطنت کا کوئی کام اُن کی صلاح بغیر نہیں کرتا تھا۔ اور جب دربار میں رونق افروز ہوتا تو پایہ سریر کے داہنی طرف مقدر الدولہ کو اور بائیں جانب مدبر الدولہ کو کھڑا کرتا جب اسی طرح دربار کرتے ہوئے ایک مدت گذر گئی۔ تو مدبر الدولہ کو یہ خیال آیا کہ دیکھو پادشاہ ظاہر میں ہم دونوں کو یکساں جانتا ہے مگر باطن میں مقدر کی زیادہ عظمت سمجھتا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو کبھی مجھے اور کبھی اُسے تخت کے داہنی طرف کھڑا کیا کرتا بیشک یہاں کچھ دال میں کالا ہے۔ اور اس بات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اُسی کو باعث سلطنت سمجھ رکھا ہے۔ خیر آج دربار میں جاکر اس کا بھی جھگڑا سلے کیجئے۔ اور اپنے دل کا شبہ نکالئے۔ یہ سوچکر

اپنے وقت معمولی پر دربار میں حاضر ہوا۔ اور کار متعلقہ کرنے لگا۔ مگر جب بادشاہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کسی امر میں صلاح لیتا تو اس طرح جواب دیتا تھا کہ ابھی صاف رنجش پائی جاتی تھی وہ بھی دانا تھا۔ اسکی تیوری سے تاڑ گیا کہ آج یہ کسی سے جلا بھنا آیا ہے۔ ہر چند روک تھام کر بات کرتا ہے۔ مگر دل کی سوزش نہیں چھپتی۔ شعر

نہیں معلوم کیا اس سینۂ سوزاں میں جلتا ہے — دھواں لڑکر زباں سے بات کر نہیں نکلتا ہے

اس میں اسکا کچھ قصور نہیں ہے۔ یہ مقتضائے غضب ہے۔ اس سے دریافت کرنا چاہیئے کہ تم آج رنجیدہ خاطر کیوں ہو؟ بادشاہ نے پوچھا مُدبر آج کیا ہے۔ جو بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ خیر تو ہے یہ سنکر دست بستہ آداب بجالایا اور کہا کہ اماں پاؤں تو عرض کروں۔ سلطان نے اشارہ کیا کہ ہاں کہو۔ کیا حضور خلوت کا امیدوار ہوں کس واسطے کہ۔ شعر

غیروں میں نہیں حرف و حکایات کا موقع — ہر کام کا اک وقت ہے ہر بات کا موقع

غرض اسی وقت سب امرا اور ارکین رخصت ہو گئے یہ اور بادشاہ دونوں تنہا رہ گئے اب تخلیے کی باتیں شروع ہوئیں۔ مدبر بولا کہ حضرت یہ غلام ایک شرط سے اپنے دل کا مدعا کہتا ہے کہ اگر کوئی گستاخانہ کلام سرزد ہو تو حضور کے دل میں کدورت نہ آئے خطا معاف ہو۔ میں نے جناب کو بارہا دیکھا اور آزمایا ہے کہ ظاہر میں کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ کرتے ہیں۔ شعر

ہمنے تمکو خوب دیکھا ہے مثال آئینہ — پیٹھ پیچھے کچھ ہو تم اور روبرو کچھ اور ہو

بادشاہ نے فرمایا کہ بھائی مدبر مجھ کو اُس گناہ سے آگاہ کر دو کہ میں آیندہ ایسی حرکتوں سے باز رہوں۔ اور تم بھی جانتے ہو کہ دوست خیر خواہ وہی ہے۔ جو یار کو خطا پر دیکھے تو اُس سے بچائے۔ اور راہ صواب دکھلائے کہا حضرت سلامت پایۂ شہنشاہی

سے بعید ہے کہ آپ ہم دونوں وزیروں کو امور خیر و شر میں یکساں جانتے ہیں اور پھر مقدر کو ترجیح دیتے ہیں۔ پادشاہ نے کہا تم نے کیونکر جانا کہ میں اُس سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ اگر قیاس سے جانا ہے یا تجربے سے معلوم کیا ہے اور اس کی تصدیق کی کوئی دلیل ہے تو اطلاع دو میں تمہاری خاطر جمع کر دوں سنو صاحب جب میں ہی تم سے دشمنی کروں گا تو اور کون دوستی کرنے آئیگا۔ شعر

گر مسیحا دشمن جاں ہو تو ہو کیونکر علاج کون رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے

وزیر نے کہا آپ اِس کو سیدھے ہاتھ کی طرف کیوں کھڑا کرتے ہیں اصل تو یہ ہے کہ حضور کو آدمی کی قدر نہیں ہے۔ مردم شناسی اور ہے اور بادشاہی اور۔ شعر

گہر کو جوہری صراف زر کو دیکھتے ہیں بشر کے دیکھنے والے بشر کو دیکھتے ہیں

اگرچہ سلطان محقق بہ جانتا تھا کہ شعر

رکھنی مشکل نہیں کچھ صاحب تدبیر سے لاگ سخت دشوار ہے پر گردش تقدیر سے لاگ

مگر کسیکی دلشکنی نہیں چاہتا تھا کیونکہ شعر

ہوتی کہاں بھلائی برائی کے ساتھ ہے کچھ نام نیک ہے تو بھلائی کے ساتھ ہے

پادشاہ نے کہا صاحب آپ سیدھے ہاتھ کی بزرگی ثابت کیجئے میں اُس کے بعد جواب دونگا مدبر نے کہا جہاں پناہ اگرچہ آپکے روبرو اسکا ثابت کرنا لقمان کو ادب سکھانا ہے۔ مگر چونکہ حضور امتحاناً پوچھتے ہیں۔ اس واسطے مجمل بیان کر دیتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اوّل تو اس سبب سے اِس ہاتھ کو ترجیح ہے کہ وادیئے ایمن میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو خدا کی آواز دستِ راست سے آئی تھی۔ اگر خدا کے نزدیک اس کی بزرگی نہ ہوتی تو بائیں طرف سے ندا آتی۔

دوم یہ کہ اکثر بزرگوں نے اس ہاتھ کی تعریف لکھی ہے چنانچہ شیخ سعدی بھی فرماتے ہیں۔ مصرع

کہ دارد فضیلت یمیں بر یسار

سوم یہ کہ سیدھا ہاتھ جوانمرد اور شجاع اور دشمن کش ہے۔ کس واسطے کہ جس وقت کسی دشمن پر حربہ کرتے ہیں تو سب سے اول یہی حملہ آور ہوتا ہے اور جبتک اُس کو نہیں مار لیتا ہے اس کو چین نہیں آتا۔ خواہ اسکو آرام ہو یا تکلیف ہو اور بائیں ہاتھ کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی مارتا ہوا آیا تو بدن کی حفاظت کرنے لگا اور جو اس نے دھوکا دیا تو عاجز رہگیا۔ جیسے کسی بادشاہ کے وقت میں ملّاؤں اور مولویوں سے لیا گیا تھا کہ جب اُس بادشاہ پر غنیم چڑھ کر آیا تو کہا حضور تقدیر پر شاکر رہیں۔ خدا کے فضل سے کچھ نہیں کر سکے گا۔ اور جب اُس نے ملک فتح کر لیا اور بادشاہ نے اُن سے گلہ کیا تو یہ جواب دیا کہ حضور کا ملک گیا اُسکا ایمان گیا۔ آپ خدا کے ہاں سمجھ لیجئے گا یہ حال بائیں ہاتھ کا ہے۔

چہارم۔ یہ دلیل طب سے تعلق رکھتی ہے۔ جب انسان کوئی چیز کھاتا ہے تو وہ درجہ بدرجہ ہضم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ چار جگہ تحلیل ہو کر اُسکا لب لباب جسکو لطافت اور قوت یعنے خون کہتے ہیں حرارت لطیف کے سبب سے جگر میں آکر جمع ہوتا ہے۔ اور یہاں سے سب طرف یعنی دل اور تلی وغیرہ میں پسلیوں اور رگوں کے ذریعے سے بقدر حیثیت پہنچتا ہے۔ جس سے انسان کی زندگی ہوتی ہے۔ دل میں قوت حیوانی اور جگر میں قوت طبعی رہتی ہے۔ چونکہ باعتبار لطافت سارے بدن میں سب سے پیشتر جگر کی پیدایش ٹھیری اور اس سے سب کو فیض پہنچتا ہے اور دست راست اسکے برابر ہے پس جس شخص کو ایسے شہنشاہ فیاض کی قربت میسر ہو اُس کا درجہ کیوں نہ بڑا ہو اور یہی سبب اس میں

زیادہ قوت ہونے کا ہے۔ بادشاہ نے یہ تقریر سنکر جواب دیا کہ البتہ آپ نے اپنی دانست میں اسکی بزرگی بہت اچھی طرح سمجھی ہے۔ مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ جو موسی علیہ السلام کو نہ مانتا ہو اور شیخ سعدی یا تمہارے مانے ہوئے بزرگوں کو نہ جانتا ہو وہ کیونکر مان لیگا۔ اور آپ نے جو اُسکی شجاعت اور قربت جگر سے بحث کی ہے میں اسکو بدل و جان تسلیم کرتا ہوں اور اکثر پسند کریں گے۔ مگر کھبۃ آدمی کیونکر یقین لائیگا کہ اُس ہاتھ کو بزرگی ہے کیونکہ اُسکے اُلٹے ہاتھ میں سیدھے ہاتھ کے برابر فی الحال قوت موجود ہے۔ منشی نے کہا حضرت اس کا حال بھی سُن لیجئے اگر کھبا آدمی عقلمند اور فہیم ہوگا تو میری اس تقریر کو سنکر آمنا اور صدقنا کہے گا۔ ورنہ اس بیان سے یہ غرض نہیں ہے کہ بیوقوف تحسین کریں۔ چنانچہ مومن خاں نے اس موقع پر کیا اچھا شعر لکھا ہے۔ **شعر**

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

قبلہ ہر چیز میں دو قوتیں ہوتی ہیں ایک حقیقی اور ایک مجازی حقیقی اُس قوت سے مراد ہے جو سرشت میں ہو اور وہ کسی طرح زایل نہ ہو سکے جیسے آگ میں حرارت اور مجازی اُس قوت کو کہتے ہیں جو کسی باعث یا ترکیب اجزا وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو جیسے آگ میں یہ صورت دیکھو جو انسان اپنے بدن میں قوت بڑھانی چاہتا ہے۔ وہ ایسی ایسی مقوی چیزوں کا استعمال کرتا ہے کہ اُسکے اعضا اوروں سے زیادہ طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح ان دونوں ہاتھوں کا حال ہے کہ اصل میں قوت حقیقی دونوں میں ہے۔ مگر دست راست میں اس سبب سے زیادہ ہے کہ وہ جگر کے قریب ہے۔ جہاں سے دوسرے ہاتھ کو بھی قوت پہنچتی ہے اور دوسرا ہاتھ پھیپھڑے کے قریب ہے کہ وہ رطوبت کے باعث کلیجے سے کمزور ہے اور سیدھے ہاتھ کی قوت زیادہ ہونے کی ایک ایسی مثال دیتا ہوں کہ سب سمجھ لیں اور اس سے آگے بائیں ہاتھ قوت

زیادہ ہونیکا سبب بیان کروں گا۔ اکثر خیال کر کے دیکھا ہے کہ جہاں پانی کا منبع ہوتا ہے اُسکے قریب کی زمین زیادہ سیراب رہتی ہے اور جہاں آتشدان ہوتا ہے اُسکے پاس کی چیزوں میں زیادہ حرارت ہوتی ہے اور لطافت یا طاقت جسکا اوپر بیان ہو چکا ہے حرارت اصلی سے مراد ہے اس سے ثابت ہوا کہ جگر حرارت اور قوت قوی کا منبع ہے۔ پس جو اجزا اُس سے ملحق ہونگے انمیں اعضائے دوری سے زیادہ قوت ہوگی جو شخص بائیں ہاتھ سے زیادہ کام لینے کی عادت ڈالتا ہے اُسکے ہاتھ میں دو قوتیں ہو جاتی ہیں ایک اصلی اور ایک اکتسابی پس اس سبب سے اُسکا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے زیادہ کام دیتا ہے اور جو آدمی سیدھے ہاتھ سے زیادہ کام لیتا ہے اس کی قوت اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو اس میں اصلی قوت زیادہ ہے دوسری اکتسابی اور ترقی دیتی ہے۔ غرض کھبا آدمی قوت مجازی کے وسیلہ سے داہنے ہاتھ کے برابر کام لیتا ہے اور حقیقت میں سیدھے ہاتھ کو فوق ہے۔ اب امیدوار ہوں کہ سرکار مجھ کو بھی اس طرف کھڑا ہونے کی اجازت دیں کہ فدوی نے اسکی بڑائی ثابت کر دی **شعر**

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

پادشاہ نے کہا اچھا اگر تمہاری یوں ہی خوشی ہے کہ اُس ہاتھ کو فضیلت ہے میں نے قبول کیا **شعر**

جو کہو گے تم کہینگے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی آپکی یوں ہی خوشی ہے مہرباں یوں ہی سہی

مگر یہ نہیں ہوگا کہ میں اُس کی جگہ تم کو کھڑا کر دیا کروں۔ افسوس آپکو وزارت کرتے ہوئے اتنی مدت ہوئی اور یہ نہ سمجھے کہ پادشاہ جسے کسی عہدے پر مستقل کر دیتا ہے پھر اُسے بغیر قصور موقوف نہیں کرتا ہے۔ آپکی وہ مثل ہے کہ دلی میں رہے اور بھاڑ جھونکا **شعر**

صحبت یہ عیسیٰ بنائے خر کو انساں کس طرح   تربیت سے واقعی نااہل دانا کب بنے

بھلا میں اُسکا عہدہ کیونکر چھین لوں تم دونوں آپسمیں تقریر کرو جو غالب آئیگا اسکو یہ عہدہ ملجائیگا۔ شعر

دل سے کہدو وہی ہو ویگا جو ہونا ہو گا   ہو گا گھبرانے سے کیا اتنا نہ گھبرا عبث

یہ سنتے ہی مدبر الدولہ طیش میں آئے اور کہا حضرت سلامت اسمیں حضور کا کچھ قصور نہیں ہے یہ زمانہ ہی ایسا ہے کہ جو دلمیں بُرائی نہیں رکھتا ہے اور صاف صاف کہدیتا ہے وہی اپنی مراد سے باز رہتا ہے۔ شعر

سینہ صافوں کو ہے ہاتھوں سے زمانہ کے شکست   ہے صفائی سے سزاوار شکن کا کاغذ

اگر میں کسی اور کے آگے ایسی تقریر کرتا تو خدا جانے کیا کچھ انعام پاتا اور کس مرتبے پر پہنچتا۔ سچ تو یوں ہے کہ بھلے کا زمانہ نہیں۔ شعر

ہنر شناس کو دکھلا ہنر کہ خوب ہے زر   اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر

الحق شعر جز جوہری کیا جانے کوئی قدر جواہر   سمجھے ہے سخن رس ہی سخن میری زباں کا

خیر مجھے اُس سے بھی بحث کرنے میں انکار نہیں ہے اپنے سخن کا پاس ہے آخر یہ بات کھلیگی اس سے یہ بہتر ہے کہ اپنے دل کا غبار نکال لوں پیچھے جیسا ہو گا۔ دیکھا جائیگا۔ شعر

رکاو خوب نہیں طبع کی روانی میں   کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

آپ باشوق بلوائیے بندہ بیٹھا ہے۔ اگرچہ میرے دل میں پہلے سے بھی اس بات کی اُمنگ تھی کہ ایکروز بھائی مقدس سے تقریر کروں مگر کسی کے سر پر چڑھ کر لڑنا شرافت سے بعید ہے اس واسطے کچھ نہیں کہتا تھا۔ دوسرے اس بات کا بھی خیال تھا کہ مجھکو لوگ حاسد اور کینہ توز تصور کرینگے اور کہیں گے کہ یہ بڑا تنگ حوصلہ اور کم ظرف ہے اپنے نصیب تو موافق نہیں اور ونکے مرتبہ کو دیکھ کر جلتا ہے۔ شعر

ہستئ تنک مایہ نے کچھ پھولکا ہے ایسا اُبھرے ہے حباب لب یم اور زیادہ
جو کنج قناعت میں ہے تقدیر پہ شاکر ہے ذوق برابر اُنہیں کم اور زیادہ

پیر و مرشد ایسے ایسے خدشوں سے خاموش بیٹھا تھا۔ ورنہ کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ شعر

بھی کچھ ایسی ہی بات جو چپ تھا ورنہ کیا کہنا مجھے نہیں آتا۔

غرض بادشاہ نے اُسی وقت مقدر الدولہ کے پاس چوبدار بھیجا کہ جس حال میں بیٹھے ہو چلے آؤ کھانا وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ وہ بیچارہ معاً حاضر ہوا فرمایا بھائی مقدر یہ مدبر تم سے بحث کرنے کو آیا بیٹھا ہے۔ کہو کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے یا منہ کی کھاؤ گے۔ عرض کیا کہ حضور کے فرمان پر جان بھی قربان ہے سرکار نے ہم کو اسی دن کے واسطے رکھا ہے اب بھی کام نہ آئیں گے تو اور کونسا دن ہو گا۔ شعر

آرزو یہ ہے کہ تیری راہ میں ٹھوکریں کھاتا ہمارا سر چلے

جہاں پناہ مجھے اس بات کا ہرگز خیال نہیں ہے کہ کسی صاحب سے تقریر کرنے میں میری شان کو نقصان پہنچیگا اور حضرت اس بات سے تو وہ ڈرے جسکو کسی امر کا دعوے ہو۔ شعر

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھئے سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

حضرت حقیقت میں طعنہ زنوں سے بچنے کی یہی ترکیب ہے کہ باوجود قدرت آپ کو سب سے کم اور عاجز ظاہر کرے۔ شعر

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق وہ طفل کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

اور جو کوئی دعوے کرتا ہے وہی سر کے بل گرتا ہے یہ کہکر مقدر الدولہ انکی طرف مخاطب ہوا اور کہا جناب مدبر الدولہ صاحب فرمایئے کس امر میں بحث ہوگی اگر سچ پوچھیے تو مجھکو اتنی لیاقت نہیں ہے کہ میں آپ سے برسر آؤں گا مگر یہ مثل ہے کہ جسکا کھایئے اُسیکا گائیے تمہارے پاس آن بیٹھا ہوں۔ قطعہ

آزاد ہوں اور مرا مذہب ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
مبحث میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

مدبر الدولہ نے کہا بھائی صاحب میرا کسی سے بحث کرنیکا ارادہ نہیں تھا۔ مگر بادشاہ دام ملکہ نے بیٹھے بٹھلائے ضد ولا دی ہے کہ تم صاحب تقدیر سے خوب تقریر کرو۔ اور داد فصاحت دو اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ حضرت کے مزاج میں کمال ظرافت ہے بلکہ یہاں تک خوش طبعی منظور ہے کہ چور سے کہیں چوری کر اور صاحب خانہ سے کہیں کہ تیرا گھر لٹتا ہے آگ لگائیں پانی کو دوڑیں۔ دو کو لڑوائیں اور آپ تماشا دیکھیں شعر

آپ ہی لگائیں آپ ہی بجھائیں آپ ہی کریں بہانہ جو آگ لگا پانی کو دوڑیں انکا کیا ہے ٹھکانہ

غرض یہ ہے کہ تقدیر اور تدبیر کا مناظرہ ٹھیرا ہے۔ میں اپنے فرمانروا کی طرف سے سوال کرونگا آپ اپنے فرماں دہ کی طرف سے جواب دیجئے گا اگر آپ غالب آئیں گے تو اس عہدے پر برقرار رہیں گے اور انعام پائیں گے ورنہ اس کے برعکس ظہور میں آئیگا۔ آپ تقریر کیجئے میں حاضر ہوں۔ مقدر الدولہ بولا بھائی صاحب میں اس اقرار سے گفتگو کرتا ہوں کہ جو باتیں ادب اور مناظرے کے خلاف ہیں وہ درمیان نہ آویں مدبر نے کہا ہاں صاحب وہ بھی کون کونسی باتیں ہیں فرما دیجئے تاکہ مجھ کو خیال رہے کہا سنیئے اور ان پر عمل کیجئے۔ ایک تو یہ کہ تقریر میں آپکو غصہ نہ آئے۔ دوسرے جو بات ایک دفعہ کہیں دوبارہ اُس سے معاف رکھیں۔ تیسرے بیجا سخن نہ کریں۔ حق پر ثابت قدم رہیں ورنہ ہم بھی سخن پروری کریں گے شعر

گر تم سے اپنی ہٹ کو ہٹایا نجائے گا بگڑا ہوا یہ دل بھی سنبھالا نہ جائے گا

چوتھے گفتگو خلاف تہذیب نہ ہو یعنی شعر

نکر ہر ایک سے تو وہ کلام بیہودہ کہ جس سے ہو ترا مشہور نام بیہودہ

پانچویں جو بات کہیں مدلل کہیں جاہلوں کی سی گفتگو نہ کریں اُسنے کہا اچھا میں قبول کرتا ہوں۔ آپ بھی اسکے خلاف نہ کیجئے گا اول تو تمہاری ہماری ہند کے مشہور اور نامور بادشاہوں میں چھیڑ چھاڑ ہو پھر عقلی گفتگو سے بحث کریں گے اب میں سوال کرتا ہوں آپ جواب دیجئے مقدر نے کہا بہت مبارک آپ فرمائیے میں سنتا ہوں۔

مُناظرۂ اوّل در علم تواریخ موسوم بہ مفیدُ المدارس

قطعہ

جو عیش دائمی دنیا سے چاہے اُسے لازم ہے لوح دل کو دھوکے
ہوئے ہوں جنکے باعث سب پشیماں انہیں باتوں سے ہر خواہش کو روکے

سوال مدبر الدولہ

آپ جانتے ہیں کہ راجہ رامچندر کیسے عقیل اور ذی تدبیر تھے کہ ان کے زمانے میں کوئی ایسا دانا اور ہوشیار نہ تھا جو ان پر غالب آتا انہوں نے ایام خرد سالی میں یہ تدبیر کی تھی کہ اول تیر اندازی سیکھی اور پھر ورزش سے قوت بدنی یہاں تک بڑھائی کہ وہ اکیلے دس پر غالب تھے۔ چنانچہ راجہ جُنک نے اپنی لڑکی کی شادی کرنے میں جسکو وہ جنگل میں سے اُٹھا لایا تھا اور لاولدی کے باعث متبنی کر لیا تھا۔ جب یہ شرط کی کہ جو کوئی میری اس سخت کمان کو یکبارگی کھینچ لیگا اُسی کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کروں گا تو انہوں نے اپنی قوت بازو سے کھینچکر اسکی کمان کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور اسکی لڑکی سے شادی کر لی دوسرے اُس شادی کے بعد جو جو مصیبتیں پیش آئیں وہ انہیں تدبیروں کے ذریعے سے دفع کیں تیسرے سب سے بڑی یہ تدبیر تھی کہ ہر ایک ادنے اواعلے سے اس کشادہ پیشانی اور محبت قلبی

سے پیش آتے تھے کہ وہ خود بخود مطیع ہو جاتا تھا چنانچہ اسی سبب سے اُنکے بھائی بند اور ساری رعیت اور اراکین وغیرہ کو ان کی تخت نشینی سے خوشی تھی اور بدل و جان یہ چاہتے تھے کہ راجہ دسرتھ کے بعد یہی تخت نشین ہوں آخر کار ایسا ہی ہوا کہ یہ گدی پر بیٹھے اب آپ فرمایئے کہ یہاں تقدیر کس کونے میں چھپی بیٹھی تھی۔ تدبیر کے ہوتے تقدیر کچھ بھی کام نہ آئی پہلے تو قبلہ اسکا جواب دیجئے پھر اور سوال کروں گا۔

جوابِ مُقدرُ الدّولہ

شعر کون سنتا ہو کہانی تیری اے یار غلط ٭ کیوں بغل میں لئے پھرتا ہے تو طومار غلط

جناب تدبر الدولہ صاحب میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمایئے آپکی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے رامچندر کا حال غور سے نہیں دیکھا ہے اور اگر بالفرض آپ کی نظر سے گذرا ہے تو آپنے اُسمیں سے اپنے مطلب کی باتیں چن لی ہیں آپ اسکا احوال مجھ سے سنیئے اور تاریخ رامچندر سے مطابق کر لیجئے۔ یہ بھی آپکو معلوم ہے کہ کل امیر و رئیس ارباب اسکا دستور ہے کہ اپنی اولاد کو کچھ نہ کچھ ہنر سکھلاتے ہیں وہ تو راجہ کا بیٹا تھا کیوں نہ فن سپاہگری میں کمال حاصل کرتا اُسکے تذکرے میں لکھا ہے باوجودیکہ حق وراثت اسی کو پہنچتا تھا پر اسکو خدا پرستی کے سوا سلطنت یا حکمرانی کی آرزو نہ تھی اور اگر اسے اس بات کی تمنا ہوتی تو جلا وطنی نہ اختیار کرتا۔ کیونکہ اُسکے باپ اور اقارب کا یہی منشا تھا کہ وہ جلا وطن نہ اختیار کرے۔ بلکہ زبردستی گدی پہ بیٹھ جائے۔ مگر چونکہ راجہ دسرتھ کو ایفائے وعدہ نے دبا رکھا تھا اسلیئے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پر اس ہی خدا پرست اللہ کے مست کو منظور نہ تھا دوسرے یہ کہ ان کے بھائی لچھمن کو بھی تیر اندازی میں خوب دخل تھا۔ دیکھو جس وقت مسماۃ سوپ نکھا کی ناک کٹی تھی۔ اور اس کے بھائی رامچندر پر لشکر لیکر چڑھے

تھے اُس وقت ان دونو بھائیوں نے کمال شجاعت اور قدر اندازی سے اُنکی فوج کو شکست دی اور اس کے دونو بھائیوں کو جو اس لشکر کے سردار تھے قتل کیا۔ اگر تیر اندازی رامچندر کی تدبیر پر منحصر تھی تو اُنکے بھائی کو کیونکر آگئی اور اگر اُن کو بھی راج کرنا منظور تھا تو وہ راجہ کیوں نہیں ہوئے اور اسی بیان سے ان کے بخت کی یاوری بھی ثابت ہوتی ہے نہیں کہو کہ ایک سوئی چنا بھاڑ کو پھوڑ سکتا ہے۔ مصرع

اے اہل بزم کوئی تو بولو خدا لگی

اگر ان کا اقبال ترقی پر نہ ہوتا اور تقدیر برگشتہ ہوتی تو یہ دو آدمی اتنی فوج پر کیونکر غالب آتے پس قسمت نے زور کیا اور انھوں نے فتح پائی جب سوپ نکھا نے یہ حال دیکھا کہ اُسکے دونوں بھائی میدان کارزار میں کام آئے تو وہاں سے بھاگی اور تیسرے بھائی راون کے پاس جاکر راجہ رامچندر کی شکایت اور اسکی رانی کی خوبصورتی بیان کی وہ اس لالچ سے رامچندر کی فرودگاہ پر آیا اور سیتا کو اکیلا دیکھکر لے گیا۔ جب راجہ رامچندر اور اُنکے بھائی صاحب شکار کرکے آئے تو سیتا کو غائب دیکھکر گھبرائے اور اس کا سُراغ لگاکر لنکا تک پہنچے وہاں جاکر کئی دن لڑے اور آخر کار راون کو مارا اور اسکے بھائی کو تخت پر بٹھا مع رانی صاحبہ اپنے ملک کی طرف مراجعت کی اگر ملک گیری یا دولت کی تمنا ہوتی تو اُس ملک کو اپنے قبضے سے نچھوڑتے اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ یہ تدبیر سب پر غالب تھی کہ وہ عوام الناس سے بہ نرمی و ملایمت پیش آتے تھے تاکہ سب میری فرمانبرداری کریں۔ بھائی صاحب اُنکے اوضاع و اطوار ایسے نہ تھے کہ لوگ اُسکو پسند کرتے البتہ وہ کاملوں اور فاضلوں کے ملنے کے کمال شایق تھے باقی سب سے نفرت کرتے تھے۔ مگر کیسکو ظاہر نہ ہوتا تھا۔ شعر

جب ہے ہنر و عیب کسی پر ذرا کھلے ؛؛ کار ندگی تو کاروائی کے ساتھ ہے

چونکہ ان کے مزاج میں حلم بدرجہ غایت تھا اس سبب سے کیسکو نہیں روک سکتے تھے

اسکی تصدیق بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ فی الحقیقت اُنکے مزاج میں تنفر تھا یا تصنع سے کہتا ہوں جب راجہ رامچندر اپنے والد کے حکم سے بھائی اور اپنی رانی سمیت مقام پریاگ یا الہ آباد میں جو اُنکی قلمرو سے باہر تھا پہنچے تو وہاں ایک زاہد نے ان کی بڑی خاطرداری کی اور کہا کہ اس جگہ میں تنہا رہتا ہوں آپ بھی یہیں قیام کیجئے اور بقیہ عمر میرے پاس رہئے راجہ رام چندر نے اس درخواست کو محض اس نظر سے قبول نہیں کیا کہ یہاں سے اجودھیا قریب ہے اکثر لوگ وہاں سے آکر مجھ کو تنگ کریں گے اور میری عبادت کرنے میں خلل ڈالیں گے ورنہ عارفوں اور زاہدوں سے ملنا انکی عین مراد تھی اور اگر تم یہ کہو کہ صاحب وہاں کچھ اور باعث ہوگا تو اُسکا بھی جواب سُن لو کہ جس وقت راجہ دسرتھ کا انتقال ہوا اُس وقت کوئی کریا کرم کرنے والا موجود نہ تھا کیونکہ راجہ رامچندر اور لچھمن تو جلاوطن ہوگئے تھے اور بھرت و ترگھن کہیں اور گئے ہوئے تھے اُسکے ارکین سلطنت نے یہ تجویز کی کہ اُنکی نعش کو تو ایک بڑے تیل کے کپّے میں رکھدیا اور قاصدکو یہ پیغام دے کر مہاراجہ دسرتھ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے راجہ رامچندر کی تلاش کو بھیجا اور یہ سمجھادیا کہ اور کسی کو اس امر کی خبر نہ ہو قضا عند اللہ وہ بھرت کی ماں کے پاس جانکلا اور راجہ کا واقعہ بیان کیا اُس نے خوش ہوکر اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے اسی دن کے واسطے تجھ کو ولیعہد کروادیا تھا جا گدی پر بیٹھ اور اُسکا کریا کرم کر وہ اس بات سے بہت ناخوش ہوا اور کہا کہ راجہ رامچندر کے ہوتے میں ہرگز گدی پر نہیں بیٹھونگا۔ یہ اُسی کا حق ہے یہ کہکر راجہ رامچندر کو ڈھونڈنے چلا اور بندیل کھنڈ کے میدان میں جا پایا ہرچند اُن سے کہا کہ آپ چلکر سلطنت سنبھالئے مگر انہوں نے منظور نہیں کیا یہ ناامید ہوکر چلا آیا اور کہا کہ خیر جب تک آپ وہاں تشریف لائیں گے میں بندوبست کروں گا جب لوگوں کا ان کو پتہ معلوم ہوگیا تو متواتر قاصد جانے لگے راجہ رامچندر نے یہ حال دیکھ کر اُس جگہ کو چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے جہاں سے ان کی رانی صاحبہ ہی

گئیں غرض یہ ہے کہ ان کو ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ خلقت کو اپنی طرف مایل کریں مگر تقدیر میں جو حکومت لکھی تھی کوئی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ اور اگر یہ تقدیری امر نہ ہوتا تو اور بھائی سلطنت کرنیکو تھوڑے تھے یا وہ راجہ کے بیٹے نہ تھے اے نادان جو شخص جس منصب کے لائق ہوتا ہے اُسی مرتبے پر پہونچتا ہے۔ **شعر**

ہے مرتبہ ہر ایک بشر کا جدا جدا ؎ قسمت جُدی جُدی ہے نصیبا جُدا جُدا

مُدبّر الدّولہ

جناب مقدر الدولہ صاحب پہلے میری ایک عرض سن لیجئے پیچھے سوال کرونگا بندہ یہ چاہتا ہے کہ آپ اتنی وضاحت سے جواب نہ دیا کیجئے اس سے عبارت کو طول ہوتا ہے یا کوئی تاریخ لکھنے کا ارادہ ہے تو ویسا فرمایئے میں اپنا راستہ لوں اور اگر اسیطرح جواب دوگے تو اس تقریر کو عمر نوح چاہئے۔ حضور مجھ کو صرف پتا یا تھوڑا سا حوالہ دیدیا کریں سمجھ لیا کروں گا۔

سوال ۲۔ سنیئے سکندر بادشاہ نے جو دریائے جہلم پر راجہ پور کو شکست دی تھی وہ حکمت عملی سے تعلق رکھتی تھی یا تقدیر سے اگر وہ فتح قسمت سے ہوئی تھی تو وہ خود بخود کیوں نہ ہو گئی اتنی محنت اور دھوکے سے کیوں کام نکلا۔

مُقدّر الدّولہ

حضرت آپکا فرمانا سر آنکھوں پر انشاءاللہ اب مختصر جواب دیا کروں گا۔

جواب ۲۔ اس سوال کے جواب کو بھی ملاحظہ فرمایئے یہ ساری قسمت کی خوبیاں ہیں کہ جہاں کوئی موقع نہیں بنتا ہے اور آدمی ناامید ہو جاتا ہے تو وہاں ایک نہ ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کی ناامیدی جاتی رہتی ہے سنیئے اگر اس وقت سکندر

کابخت یاور نہ ہوتا تو راجہ پور کو ہرگز یہ خیال نہ آتا کہ چند سپاہی راستہ بھولکر آنکلے ہیں میں اپنے بیٹے کو تھوڑے سے سواروں کے ساتھ بھیجدوں وہ انکو یہاں سے نکال دیگا۔ بلکہ وہ خود جاتا اور جتنا بغیر فوج لڑا تھا اُس سے زیادہ لڑتا جب بیٹا مارا گیا اور ساری سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے اُس وقت ہوش میں آئے اور اکیلے لڑنے کو گئے پھر کیا ہو سکتا تھا۔ مصرع

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ؎

سچ ہے۔ شعر

سب سے تدبیر کی کہی جاتی ؎ نہیں تقدیر کی کہی جاتی

کیوں جی جسوقت سکندر نے پاٹلی پوتر کا ارادہ کیا اور اُسکی فوج نے انکار کیا تھا اِس نے سپاہ کو کسی حیلے سے کیوں نہ روک لیا ہر چند دھمکایا اور لوٹ کا بھی لالچ دیا بلکہ یہاں تک ہوا کہ بادشاہ نے خوشامد کی اور بہت سمجھایا مگر قسمت کی برگشتگی نے فوج کو برگشتہ کر دیا۔ شعر

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ؎ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

وہاں ان کی تدبیر کہاں ہوا کھانے گئی تھی اُسوقت یہی کہتے بنی۔ شعر

تقدیر کے بگاڑ کی تدبیر کیا کریں ؎ بنتی نہیں ہے کوئی بھی تدبیر یا نصیب

سوال ۱۴۔ کیوں صاحب اگر محمود غزنوی دانشمند نہ ہوتا اور اسکے پاس ہم مذہب اور جرار فوج نہ ہوتی تو گرجستان اور خوارزم و ہندوستان وغیرہ کو کیونکر فتح کرتا۔ قسمت کو تو ہم جب مانتے کہ بغیر فوج اور بے عقل کسی ملک کو فتح کر لیتا یا کل بادشاہ اور راجہ آپ سے آکر اپنا اپنا ملک سپرد کر جاتے۔ کیونکہ ان کی تقدیر میں یہ ملک لکھے تھے۔ اب آپ کو صرف ایک اعتراض کی گنجایش ہے کہ وہ عقلمند نہ ہوگا۔ سو اسکی دانائی کا حوالہ دیتا ہوں۔

روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ جب محمود نے سنہ ۴۰۱ ہجری میں سوری حاکم غور پر چڑھائی

کی تو وہ فوج کثیر لیکر اس بادشاہ سے مقابلہ آرا ہوا اور دوپہر تک دونوں طرف سے لڑائی رہی جب محمود نے دیکھا کہ کوئی فتح کی صورت نہیں بنتی تو ان کا دل بڑھانے اور مطلب نکالنے کو یہ تدبیر نکالی کہ لشکر کو لیکر دور تک بھاگا اور کمزوری کی علامتیں دکھائیں۔ مخالفین نے جانا کہ اُسکو شکست ہوئی جتنے آدمی خندق میں اپنا بچاؤ کئے اور انکی گھات میں پوشیدہ بیٹھے تھے نکل کر میدان میں آموجود ہوئے اور جب وہ صحرا کے کفِ دست میں پہنچے تو محمود نے ایکبارگی چاروں طرف سے گھیر اڈالکر سب کو تہ تیغ کیا اور فتح پائی ذرا ایمان سے کہو کہ یہ بات تدبیر سے تعلق رکھتی تھی یا تقدیر سے متعلق تھی۔

جواب ۱۳۔ حضرت جو محمود غزنوی کو عقلمند نہیں مانتا اور آپکی اس مثال کو درست نہیں جانتا وہ محض بیوقوف ہے کیونکہ اُسکی دانائی کا تو سارے جہان میں شہرہ ہے بلکہ بیچارے فردوسی طوسی کی کتاب آجتک گواہی دیتی ہے کہ اُس نے ایسا بڑا کام کیا اور پھر اُسکے صلے سے محروم رہا بادشاہ اپنے وعدے سے پھر گیا اور لوگوں کے بہکانے میں آگیا افسوس اس سلطان عاقل نے ہجو کا سننا تو پسند کیا مگر حق السعی کا دینا منظور نہ ہوا خیر اس سے کیا بحث ہے آپ اسکی فوج کی وجہ سنیئے خدا ایسا مسبب الاسباب ہے کہ جس کسی کو جس لائق دیکھتا اور کرتا ہے اُسکو ویسا ہی سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔ **شعر**

وہی زیبا ہے اُسکے واسطے جو قطع ہے جسکی ٭ نکل سکتا ہے کوئی اٹیتس کا کار دامن سے

اُسکی فتوحات کچھ فوج پر منحصر نہیں کس واسطے کہ اگر ہم مذہبی اور کثرت افواج باعث ظفر یا نصرت ہے تو اہل ہندان سے کسی طرح کم نہ تھے اور سب راجاؤں اور علما میں باہم سلوک بھی ایسا تھا کہ چوتھے حملے میں محمود کے ہوش جاتے رہے تھے اور نہایت بیحواس ہوگیا تھا اور اہل ہندان کی مزاحمت کے واسطے ایسے مستعد اور آمادہ ہوئے تھے کہ ان کی عورتوں نے جواہرات بیچ ڈالے اور چاندی سونے کے زیور گلا کر اس کام کے واسطے

روپیہ جمع کیا اور دور دور کے ہندوں کے لشکر میں بھیجا غرض یہاں تک لڑنے اور مرنے کو طیار ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو ہرگز ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیں گے حاصل کلام چالیس روز تک محمود کو خندق میں گھیرے پڑے رہے اور لڑائی کے دن چار ہزار مسلمانوں کو بھی شہید کیا جب تقدیر پلٹ گئی تو ان کے سپہ سالار ہاتھی محمود کا تیر کھا کر بھاگا۔ سب ہراساں ہو گئے اور پریشان ہو کر بھاگ گئے اور آٹھ ہزار ہندو قتل ہوئے اس نے فتح پائی اسیطرح ایک مرتبہ ایلک خاں کی لڑائی میں محمود نہایت ناامید اور مجبور ہوا تھا بلکہ اُس فتح کے واسطے بہت سی نذریں مانیں اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر خدا سے رجوع کی تھی وہاں بھی اس طرح فتح پائی کہ ایک ہاتھی نے خود بخود ایلک خاں کا جھنڈا اپنے اوپر سے گرا کر پھاڑ ڈالا اور آدمیوں کو سونڈ سے اٹھا اٹھا کر ٹپکنے لگا۔ سب فوج میں اضطراب ہو گیا اور بھاگنے شروع ہو گئے۔ محمود نے اس فرصت کو غنیمت جانکر حملہ کیا اور فتحیاب ہوا سنو بھائی صاحب یہ ساری باتیں قسمت پر منحصر ہیں۔ ورنہ ہندو ان پر فتح پاتے مگر کیا کریں تقدیر سے بے بس تھے۔ **شعر**

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو ؏ سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

سوال ۷۔ اب حضرت آپ ہم پر بہت منہ آنے لگے شاید مقتضائے شرافت اسی کے معنی ہیں۔ **شعر**

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ؏ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

ابھی اور صبر کیجئے تعلی کی نہ لیجئے دیکھئے کس کل اونٹ بیٹھتا ہے۔ **شعر**

اتنا نہ اپنے جامہ سے باہر نکل کے چل ؏ دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

بھائی جان انسان کو چاہئے کہ اپنی بساط سے باہر قدم نہ رکھے اور میانہ روی اختیار کرے کہ وہ سب کے نزدیک اچھی ہے۔ **شعر**

چاہئے حد سے زیادہ نہ بشر چل نکلے ؏ چلئے چال ایسی کہ کچھ کام ظفر چل نکلے

ابھی تو بہت سی باتیں باقی ہیں آگے مشکل سوال پوچھوں گا تو قدر عافیت معلوم ہوگی۔

مصرع۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جب تک اونٹ پہاڑ کے نیچے نہیں آتا کیسکو بڑا نہیں جانتا یہ شکایت بطور حکایت کرتا ہوں کہ آیندہ ایسی باتوں کا لحاظ رکھئے اور تدبیر کو ہر جگہ برائی کے ساتھ مشابہت نہ دیجئے کہ یہ بزرگوں سے بعید ہے۔ شعر

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ٭ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

سوال کو ملاحظہ فرمایئے آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ مورخ محمد شہاب الدین غوری کو آج تک بڑا قسمت ور اور باعث اسلام ہند مانتے ہیں اُس نے پہلے اپنی بیوقوفی اور بے تدبیری سے کیسی زک اُٹھائی تھی کہ ایک پرتھی راج کو شکست نہ دینے سے سارا ملک کھو بیٹھا تھا اور جب تدبیر سے لڑا اور اچھی فوج کو بھرتی کرکے لایا تو اس حکمت عملی سے فتحیاب ہوا کہ جسوقت دریائے گھاگرہ پر پہنچا تو راجہ کو کہلا بھیجا کہ مذہب اسلام قبول کر پرتھی راج نے جواب دیا کہ اب پھر پیٹ کر جائیگا خیر ہے تو واپس چلا جا نہیں تو اب کے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اس نے سنکر کہا کہ میں اپنے بھائی کا فرمانبردار ہوں اُسنے دریافت کروں گا مہاراج نے سمجھا کہ یہ ڈر گیا پھر عیش و عشرت میں بے خبر ہو کر سو رہے محمد غوری نے غافل دیکھ کر راتوں رات اپنا لشکر دریا کے اس پار اُتار لیا اور علی الصباح حملہ کیا تھوڑی دیر لڑا اور عین لڑائی کے وقت دھوکا دینے کو یکبارگی اپنے لشکر کی باگ پیچھے کو موڑی ہندو سمجھے کہ مسلمانوں کے پانوں اکھڑ گئے اس خاطر جمعی اور بیفکری سے جدھر چاہا ادھر دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے چلے گئے شہاب الدین نے جب دیکھا کہ طرف ثانی کی سب فوج منتشر ہو گئی ہے دوبارہ حملہ کیا اور نہایت سُرعت سے راجہ کو گھیرا اور زندہ پکڑوا کر مروا ڈالا پھر کون لڑ سکتا تھا سچ ہے شعر

مئے عشرت سے کوئی جام جو بھر لیتا ہے ٭ آسماں اُسکا وہیں کاسۂ سر لیتا ہے

اگر محمد غوری یہ حکمت نکرتا۔ تو ابکی دفعہ جان سے مارا جاتا۔ اس کا جواب دیجیے کہ میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ عرض کرتا ہوں۔ جواب ہم شعر

تم جو غصے ہو تو غصہ مرے سر آنکھوں پر ۔ پر بشرطیکہ نہ ہو۔ اور کسی کے باعث

سبحان اللہ حضور بڑے منصف مزاج ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ابتدا کس کی طرف سے ہوتی ہے۔ جب آپ سوال میں کچھ فرما لیتے ہیں۔ تو پیچھے بندہ بھی جواب دیتا ہے۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ جواب دینے میں عاجز ہے ورنہ شعر

جو برا سمجھے آپ کو وہ کہے ۔ کیا کسی کو برا معاذ اللہ

صاحب بات بات پر لڑتے ہو بن بن کے بگڑتے ہو۔ اپنی خطا پر نظر نہیں۔ اوروں کا عیب پکڑتے ہو۔ شعر

عوض ہم سے کے ہمنے گالیاں دیں یا کہ صاحب نے ۔ ذرا انصاف تو کیجے نکالا کس نے شر پہلے

اگر یہی گفتگو اور یہی انصاف ہے تو بحث سے ہاتھ اٹھائیے۔ بندہ صاف ہے لے حضرت اگر میں تدبیر کی برائی نہ ثابت کروں۔ اور آپ تقدیر کی اہانت نہ بیان کریں تو جھگڑا کس بات کا ہے اور کون جانیگا کہ انجام کار کس کو فوق رہا اگر آپ کو برا معلوم ہوتا ہے۔ تو صدق دل سے یہ فرما دیجئے کہ تم جیتے اور میں ہارا ابھی ترکی تمام ہوتی ہے۔ شعر

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم ۔ کاہے کو میر کوئی سُنے جب بگڑ گئی

میرے نزدیک اب سلامت روی کی یہی چال ہے۔ کہ نہ آپ برا مانیں اور نہ میں آزردہ ہوں۔ بقول شخصے شعر

دیکھنے دو مجھے بد بین جو برا دیکھتا ہے ۔ میں برا ہوں کہ بھلا اسکو خدا دیکھتا ہے

جو ہونا ہوگا سو ہو رہیگا۔ جبتک آپکا جی چاہے بحث کیجے بندہ موجود ہے

ساقیا گو آگ رہا ہے چل چلاؤ ۔ جب تک بس چل سکے ساغر چلے

واہ حضرت ابھی سے چیں بجبیں ہونے لگے ہم نے تو سمجھا تھا کوئی دم جگر
تقریر کروگے آدمی کو چاہیئے ہمت نہ ہارے۔ اسمیں سب کچھ موجود ہے **شعر**

پست ہمت یہ نہو اور پست قامت ہو تو ہو
آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ

اس سوال کے جواب کو بھی ملاحظہ فرمائیے حضرت اگر محمد غوری راجہ پرتھی راج
سے پہلی لڑائی میں شجاعت نکرتا اور پھر شکست کھاتا تو بیشک اسکی بے تدبیری
میں کچھ شبہ نہیں تھا جس حالت میں اُس نے سب تدبیریں کیں اول اول
مرتبہ شہر ٹبڈا کو بھی فتح کیا۔ البتہ وہاں سے پھرتے وقت شکست کھائی اس کو
اسکی بدنصیبی کے سوا کچھ اور نہیں کہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اپنی دانست میں وہ مظفر
اور منصور ہوکر چلا تھا۔ یہ خبر نہیں تھی۔ کہ تقدیر یہ گل کھلائیگی۔ اور دیکھو جس
وقت قسمت اچھی تھی۔ تو صرف بیس ہزار سواروں سے تین لاکھ سوار اور
بے شمار پیادوں کو پسپا کیا۔ ورنہ اس بے شمار فوج پر مظفر ہونا کسی طرح ممکن
نہیں تھا۔ باوجودیکہ قنوج کا راجہ بھی اس کی حمایت پر تھا۔ اور خوب لڑکر
مرا۔ مگر محمد غوری نے فتح پائی۔ اور اگر یہ بات تقدیر سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ تو راجہ
پرتھی راج کو ہرگز یہ خیال نہ آتا کہ وہ ڈر گیا۔ اب ہوشیاری سے کچھ کام نہیں ہے غرض
اسی بہانے سے خواب غفلت نے اُسے گھیرا۔ اور مہاراج نے بڑی ذلت سے
جان دی۔ **شعر**

نوشتے سے ہوا ایک حسن بھی ہرگز نہ بیش و کم
جو پیشانی میں تھا لکھا ہوا وہ پیش سب آیا

اسکے علاوہ ایک اور طرفہ ماجرا سنئے کہ جسوقت یہ لڑائی فتح ہوئی تو تمام گرد و نواح
کے راجہ جنگ و جدل کے بغیر خود بخود مطیع ہوگئے یہانتک ہوا کہ پرتھی راج کے بیٹے نے
بھی اطاعت قبول کی اور باپ کا بدلا نہ چاہا اور جب اس بادشاہ کی قسمت مساعد نہ رہی
تو صرف چند آدمیوں نے بیباکانہ اسکے خیمہ میں جاکر خنجروں سے مار ڈالا۔ اور اس وقت

اس سے اور اس کے آدمیوں سے کچھ بھی بند و بست نہو سکا سب کے سب منہ
دیکھتے رہ گئے افسوس جو شخص نو حملوں میں متواتر فتحیاب ہو وہ اسطرح ادنےٰ
آدمیوں کے ہاتھ سے مارا جاوے اس موقع پر کسی نے کیا خوب کہا ہے **شعر**

نصیبا جب مرا اچھا تھا اور تقدیر اچھی تھی مری ہر بات اچھی تھی ہر اک تدبیر اچھی تھی

بھائی صاحب یہ ساری قسمت کی خوبیاں ہیں کہ کبھی انسان اچھا کہلانے
لگتا ہے اور کبھی برا مشہور ہو جاتا ہے۔ **سوال** حضرت میں یہ پوچھتا ہوں
کہ محمود بن التمش اگر تواضع اور حلم نہ اختیار کرتا تو کیونکر نیک نام اور فرختہ فرجام
مشہور ہوتا۔ دیکھو اپنی تدبیر سے آج تک عقلمند اور حمیدہ خصال نامزد ہے
بلکہ باپ دادا کی غلامی کا عیب چھپا دیا۔ اور شہنشاہ عادل کہلانے لگا۔ اب فرمائیے
کہ تدبیر کے سوا تقدیر نے کیا سلوک کیا۔ **جواب** قبلہ اگر یہ تقدیری امر نہوتا
تو قیدگراں میں سے کسی شخص کی مدد بغیر کیونکر تخت پر بیٹھتا۔ چونکہ اس نے وہاں
بہت سی مصیبتیں اوٹھائی تھیں اس سبب سے حلیم الطبع اور خدا شناس ہو گیا
تھا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی سردار ذرا سی تواضع کرتا ہے۔ تو اسکے
برابر کوئی نیک بخت نہیں کہلاتا ہے۔ اور یہ تو بادشاہ تھا۔ اور حد سے زیادہ
خاطر و مدارات سے بھی پیش آتا تھا۔ کیوں نہ خوش اخلاق مشہور ہوتا۔ **شعر**

تواضع زگردن فرازان نکوست گدا گر تواضع کند خوے اوست

سوال آپ یہ جانتے ہیں کہ علاؤالدین خلجی کے وقت میں تدبیر نے کیا کیا
کام دئیے ہیں اول تو اُسکو بادشاہ کیا۔ بعد ازاں جاہل سے خواندہ بنایا اور اس
مرتبے پر پہنچایا کہ اس نے ایک ایسا نیا مذہب نکالنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس میں
ہندو اور مسلمان کی تمیز نہ رہے دونوں شریک ہو کر عبادت کیا کریں۔ اور اولوالعزم
بھی ایسا تھا کہ ہفت اقلیم کے لینے کا دعوے رکھتا تھا۔ اور سکے پر سکندر ثانی اپنا

لقب ڈالا تھا۔ بھائی صاحب تدبیر سے بادشاہی دور نہیں ہے۔ اور محض تقدیر سے خوراک بھی میسر نہیں ہوتی **جواب** حضرت تقدیر ہی کی مدد سے بادشاہ ہوا تھا۔ اسکا قصہ مجھ سے سنیئے۔ جب یہ اپنے چچا کی اجازت سے دولت آباد پر چڑھ کر گیا۔ اور وہاں سے فتح پاکر بہت سا مال لایا۔ تو اسکی نیت برگشتہ ہو گئی کہ اپنے چچا کو کچھ نہ دیجئے اور اوس کے دل میں لوگوں کے بہکانے سے یہ بات سما گئی۔ کہ اس سے سب دولت لے لیجئے چونکہ دنیا کی ہوس سب پر غالب ہے۔ اور ہر ایک شخص زر کا طالب ہے۔ ان دونوں کے دلوں میں بغض ہو گیا **شعر**

سب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے　　کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے

جب اُس کو اسکا منشا معلوم ہو گیا۔ تو اُس نے اپنے بھائی کے ہاتھ جلال الدین کو کہلا بھیجا کہ آپ مجھ سے سب دولت لینی چاہتے ہیں۔ تو مقام قرا پر تشریف لائیں۔ مجھے آپکی اطاعت میں کسی طرح کا عذر نہیں ہے۔ بادشاہ یہاں سے بخیال دور اندیشی بہت سا سامان لیکر مع فوج وہاں پہنچا۔ اس نے ان کے آنے سے پیشتر اِدہر اُدہر فوج چھپا رکھی تھی۔ اور آپ تنہا بادشاہ کے استقبال کے واسطے چلا اور یہ کہلا بھیجا کہ میں اکیلا آتا ہوں آپ بھی بہ تن واحد تشریف لائیے اسکی عقل پر پردہ پڑ گیا اور قضا کا وعدہ پورا ہوا۔ وہ اس کو تنہا دیکھکر یہ سمجھا کہ علاؤالدین کچھ پوشیدہ باتیں کریگا۔ آپ بھی اکیلا گھوڑے پر سوار ہوکر آیا۔ جب وہ اپنی فوج سے دور ہوا۔ تو اِسکے سپاہیوں نے موقع پاکر مار ڈالا۔ اور اسکو بادشاہ کر دیا۔ اس بیان سے میری یہ غرض ہے کہ اسکی تقدیر میں بادشاہت نہ ہوتی تو نہ فتحیاب ہوکر اتنا مال لاتا اور نہ اسکا چچا فریب میں آکر مارا جاتا۔ اور نہ یہ بادشاہی پاتا اور اگر یہ سب باتیں تدبیر سے تعلق رکھتی ہیں تو چتوڑ پر جس ترکیب سے اس نے راجہ کو گرفتار کیا تھا اُسی تدبیر سے رانی کو جس کا یہ عاشق تھا

کیوں نہ پکڑ لیا۔ اور جس وقت وہ سات سو ڈولیوں میں سپاہی لیکر آئے
اس وقت اسکی عقل کہاں جاتی رہی تھی کہ راجہ بھی اسکے قید میں سے نکل
گیا اور رانی بھی اسکے ہاتھ نہ آئی اسکے علاوہ جب علاؤالدین نے اس
دغا اور چالاکی سے غضبناک ہوکر چتوڑ کو گھیرا اور ایک عرصے تک محاصرہ
کئے پڑا رہا تو وہاں کسی تدبیر سے کیوں نہ فتح پائی کس واسطے ناکام پھر کے
آیا اس سے معلوم ہوا کہ فتح اور شکست کسی کے اختیار کی نہیں۔ انہیں
حرکتوں سے سکندر ثانی مشہور ہوا تھا آدمی کو سکندر کا سا استقلال بہت
مشکل سے میسر ہوتا ہے۔ اپنے منہ سے میاں مٹھو کہنا کچھ بڑی بات نہیں
ہے۔ دوسرے آپ جو اسکے علم حاصل کرنے کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ
بات کچھ دشوار نہیں ہے۔ ہر ایک شخص اپنے حوصلے کے لایق علم ظاہری
حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ یہ بات ممکنات سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کا
حال جہانگیر بادشاہ کے ذکر میں بخوبی تمام بیان کیا جائے گا۔ اب اختراع
مذہب کے ارادے کی وجہ سنیئے کہ جو شخص اپنے آپکو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اور
متکبر ہو جاتا ہے۔ اسکو ایسی باتیں سوجھتی ہیں۔ کہ مجکو سب تا بہ قیامت یاد
رکھیں اور بجائے خدا و پیغمبر میری پرستش و پیروی کریں چونکہ وہ شہرت پرست
تھا اور حقیقت میں کسی قابل نہ تھا اسلیے یہ بات جو سراسر واہیات ہے نکالی تھی شعر

جو پیٹ کے ہلکے ہیں پچے بات کب اُن سے　　روکیں تو اپھر جائے شکم اور زیادہ

اگر حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ اسکو اس حرکت ناشائستہ سے باز نہ
رکھتے تو اس تدبیر کا مزا چکھتا اور جن یاروں کے سبب سے اسکو رعونت آئی
تھی اور پیمبری کا ارادہ تھا تاریخ فرشتہ میں انکا مفصل حال لکھا ہے حضرت
مدیر صاحب مجھے اس بات پر افسوس آتا ہے کہ اسکے زمانے میں ہر ایک فن کے

آدمی اور اچھے اچھے عارف اور کامل موجود تھے۔ اور پھر ایسا بیوقوف اور
نادان بنا کہ جو باتیں باعث زوال سلطنت اور فتور مملکت ہیں۔ اُنکو اختیار کیا۔ ایک
ادنیٰ بات تو اون میں سے یہ ہے کہ ملک نائب کی صورت پر ایسا مفتون اور
مدہوش ہوا تھا۔ کہ صرف امورات ملکی میں کیا بلکہ سب کاموں میں اُس کے
مزاج کے خلاف نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ رات کو دن بتلاتا۔ تو یہ ستارے گنواتا
تھا **شعر**

اُسکے خلاف کب ہو دل زار کی صلاح دل کی وہی صلاح جو دلدار کی صلاح

جائے عبرت ہے کہ جو شخص چوراسی لڑائیوں میں فتحیاب ہو۔ آخرکار
سب اُس سے پھر جائیں سچ ہے **مصرع** دیر لگتی نہیں تقدیر کو پلٹے کھاتے
اور ایک ادنیٰ بجے پور کا راجہ اوسکے متعلقوں کو قلعے سے نیچے پھینک دے
اور وہ اسی غم میں جان بحق ہو۔ دیکھو جبتک تقدیر نے یاری دی۔ سب نے
فرمانبرداری کی۔ اور جس وقت قسمت پھری۔ تو کچھ بھی حکمت کام نہ آئی ساری
تدبیر بالائے طاق رہی **شعر**

جو کچھ کہ ہوا اُس سے وہ کس طرح نہ ہوتا حکم ازلی ذوق یونہیں ہو ہی چکا تھا

سوال آپ کو معلوم ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جب تک تدبیر سے کام کیا
اوسکے ملک میں کچھ فتور نہیں ہوا اور جس وقت نادانی کو عمل میں لایا۔ تمام
ملک برگشتہ ہو گیا۔ اول تو یہ نادانی کی کہ ملک چین اور خراسان فتح کرنے کو فوج
روانہ کی اور اس ملک پر قناعت نہ کی **شعر**

گر خدا دیوے قناعت ماہ یکہفتہ کی طرح دوڑے ساری کو کبھی دہی انسان چھوڑ کر

دوسری کاغذ کا روپیہ چلایا تیسری دہلی والوں کو یہاں سے اوجاڑ کر دولت آباد
میں بسایا چوتھی اکثر امیروں اور سرداروں کو قتل کیا اگر یہ بیوقوفی نکرتا روز بروز

اُسکا ملک ترقی پکڑتا آپ یہ فرمائیے کہ اس نے تدبیر و بے انتظامی کو تقدیر کے ذریعہ سے کیوں نہیں سنبھالا **جواب** حضرت اگر آپنے نادانی کے معنی تقدیر سمجھے ہیں تو یہاں حکیم بھی لاچار ہے ورنہ اس نے اپنی دانست میں ہر ایک بات کو بہتر سمجھا تھا اور یہ چاروں باتیں مصلحت سے خالی نہ تھیں مگر قسمت سے برائی ہاتھ آئی تاریخ میں لکھا ہے باوجودیکہ یہ بادشاہ نہایت سخی اور فضول خرچ تھا مگر پھر بھی اسکے پاس حد سے زیادہ روپیہ جمع تھا جب یہ تخت پر بیٹھا تو ۷۲۵ھ میں داؤد خاں کے بیٹے نے جو شجاعت میں رستم اور عدالت میں نوشیرواں تھا اسکو عین دہلی میں آدبایا اُس وقت محمد تغلق عاجز ہوا اور بہت زر و جواہر دیکر جو لوگ مخالف کے نزدیک معتبر تھے اُنکی سفارش پہنچائی اس باعث سے وہ اسکی سلامی پر ترس کھا کر چھوڑ گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ناتوان اور کمزور کو ہر شخص دباتا ہے تو اسکو فوج جمع کرنیکا شوق پیدا ہوا اور یہانتک اس بات پر مستعد ہوا کہ سکندر اعظم کیطرح میں بھی فتوحات حاصل کرونگا مگر اس امر کو زر خطیر چاہیے اسلئے یہ تدبیر نکالی کہ محصول بڑھایا اور تانبے اور پیتل کا سکہ چلایا اور یہ بھی ارادہ کیا کہ چین والوں کی طرح کاغذ پر اپنی تصویر کھینچ کر روپے کا کام لے اور سرداروں کو ملک فتح کرنیکے واسطے جابجا روانہ کرے۔ چنانچہ اسی خیال سے ۳ لاکھ ۷۰ ہزار سوار خراسان اور ماوراء النہر کو بھیجے اور ایک لاکھ سوار اپنے بھانجے کے ہمراہ چین کو روانہ کئے اور آپ ہندوستان کا بندوبست کرتا

شعر
منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

مگر تمام ملک میں اس روپے کے جاری کرنے سے بے انتظامی ہو گئی اور افواج مرسلہ کو مدد نہ پہنچ سکی اس سبب سے اُسکے آدمی جہاں تھے وہاں مارے گئے حضرت فوج کے بھیجنے میں کیا برائی کی تھی جو آپ اسکو بے تدبیری سے مشابہت دیتے ہیں البتہ بدنصیبی سے نظیر دیویں تو بجا ہے کہ اسکی تدبیر اور خواہش کے خلاف ظہور میں آیا دو باتیں اور باقی رہیں۔ سو اُنکا بھی جواب لیجئے قبلہ دہلی اُجاڑ کر دولت آباد

بسانے کی یہ وجہ تھی کہ جس وقت اس نے ہند کے بہت سے ملک فتح کیئے تو انتظام کیواسطے یہ بات سوجھی کہ اب دار الملک بھی ایسی جگہ مقرر کرنا چاہیئے کہ اس کو تمام ممالک سے وہ نسبت ہو جو مرکز کو دائرے سے ہے یعنی بادشاہ کے لئے وسط ملک میں رہنا بہت مناسب ہے تاکہ اخبار خیر و شر و حالات صلاح و فساد تمام ممالک محروسہ سے علی التواتر ایک وقت خاص میں آیا کریں۔ اور کسی جگہ کوئی حادثہ نمودار ہو تو وقت معمولی پر اخبار نہ پہنچنے سے معلوم ہو جائے کہ آج فلانے علاقے میں کوئی واردات ہوئی ہے اسکا تدارک کرنا چاہیئے جب اس بات کا مشورہ ہو تو اہل پیمایش کو بلا کر دریافت کیا بعض آدمیوں نے تو اوجین کو بتایا اور یہ دلیل پیش کی کہ راجہ بکرماجیت نے اسی سبب سے اس کو دار السلطنت بنایا تھا اور اکثر نے یہ عرض کیا کہ دیوگڈہ وسط ہند میں واقع ہے بادشاہ نے اس مقام کو پسند کیا اور دولت آباد نام رکھکر یہ حکم دیا کہ دہلی والوں کو خواہ ملازم ہوں خواہ رعیت یہاں لاکر آباد کرو اور جو لوگ غریب ہیں انکی مکان کی قیمت اور راستے کا خرچ بھی سرکاری خزانے سے دو غرض جسطرح ہوسکے یہاں لاکر بساؤ حضور فرماویں اس میں کونسی بے تدبیری کی تھی۔ چوتھے سوال کا جواب بھی سنئے جو لوگ اسکے باپ کے وقت میں بہت امیر ہو گئے تھے اور بادشاہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے انکو اس نظر سے قتل کیا کہ مبادا ایک روز سب متفق ہو کر میری بیخ کنی کے درپے ہوں دوسرے بزرگوں کا قول ہے کہ دشمن کو چھوٹا نہ جانے اگرچہ وہ اپنی قابو میں کیوں نہ ہو یہ لوگ میری سیاست سے تو ڈرتے ہیں مگر اپنا موقع دیکھتے رہتے ہیں قطعہ

وگر با چنو صد بر آئی بہ جنگ — ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم
بترسد کہ کوبد سرش را بسنگ — ازاں مار بر پائے راعی زند

اور جہاں کہیں اس نے ظلم کیا ہے تو آپ پشیمان ہوا ہے۔ دیکھو جس وقت رعیت

تانبے کے سکے سے ناخوش ہوئی تو اس نے اپنے حکم سے منفعل ہو کر یہ کہا کہ جس جگہ
اُس سکے کا روپیہ یا اشرفی ہو وہ سرکار میں سے چاندی سونا بدلکر لیجائے اس بات
کو سنکر تمام سناروں نے لاکھوں تانبے اور پیتل کے روپے بنا ڈالے اور بادشاہ کے
خزانے سے روپیہ وصول کیا اور ایسا ہی تمام رعیت سے ظہور میں آیا غرض بادشاہی
خزانہ بالکل خالی ہو گیا یہاں تک کہ فوج کے دینے کو باقی نہیں رہا اور انہیں دنوں میں
تین برس کا کال پڑ گیا امیروں نے تمرد پر کمر باندھی اور اکثر باغی ہو گئے اسکے علاوہ
ایک دفعہ محمد شاہ تغلق نے ضیائے برنی سے کہا کہ بادشاہ کو انتظام ملک کیواسطے
کون کونسی سیاست لازم اور دین کے رد سے کون کونسی جائز ہے کتب دینی اور
تواریخ سے بیان کرو اُس نے تواریخ کسریٰ کا حوالہ دیکر عرض کیا کہ بادشاہ کو سات جگہ
سیاست لازم ہے سلطان نے اُن مقاموں کو سنکر تسلیم کیا اور کہا کہ پہلے زمانے
میں خلایق درست کردار راست گفتار تھی اب سراسر دروغگو اور دغاباز ہے میں کس
کس کے کہنے پر عمل کروں شعر

جاں لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر ٭ عاری عبائے ہوش و قبائے خرد سے ہیں

اس واسطے زیادہ سیاست کرتا ہوں۔ دوسرے میرے پاس کوئی ایسا وزیر بھی نہیں ہے
جو حسن تدبیر سے ملک کا سرانجام کرے تاکہ خونریزی کی حاجت نہ پڑے۔ حضرت اُسکی
دانائی سب تاریخوں میں لکھی ہے۔ بلکہ تاریخ فرشتہ والے نے یہاں تک لکھا ہے کہ
اسکے برابر طبیب اور عالم اور منجم اور حاذق ہونا دشوار ہے آدمی کی پیشانی سے اُسکا
احوال بیان کرتا تھا۔ اب اس سے زیادہ کیا عقلمندی ہوگی مگر قسمت کے آگے عقل کھی
رہتی ہے جو بات بندوبست کے واسطے نکالتا تھا۔ اُسی سے بے انتظامی ہوتی
تھی شعر

کرتا وہ بیچارہ کیا تدبیر سے چارہ نہیں ٭ پر کرے کیا چارہ گر تقدیر سے چارہ نہیں

سوال ۸۔ آپکو یاد ہے کہ صاحب قران نے سلطان محمود بادشاہ دہلی کی کس قدر فوج کو اُس اونٹ کی تدبیر سے قلعے کے باہر نکالکر شکست دی تھی کہ جس وقت یہاں پہنچا تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ صرف تھوڑی سی سپاہ شہر کے مقابل ہے اور کمزوری کی علامتیں ظاہر کرے اور جب بادشاہ لشکر لیکر باہر آئے تو یکبارگی حملہ آور ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تیمور نے فتح پائی۔ دوسرے ہندوستان سے جاتے وقت جب کوہ کبور پر پہنچا۔ تو وہاں جاڑے کی ایسی شدت دیکھی کہ رات کو برف پڑتی تھی اور دن کو زمین یخ بستہ ہو جاتی تھی گھوڑا ایک قدم آگے نہیں رکھ سکتا تھا اور اگر جبراً آگے چلنے کا قصد بھی کرتا تھا تو اس کی رانیں برف میں دھس جاتی تھیں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا غرض کسی طرح سے وہاں جانا ممکن نہیں تھا ناچار ہو کر تمام گھوڑے چاوک کے قلعے پر چھوڑے اور آپ پاپیادہ سوار لیکر اوپر چڑھا جب اُس بلند پہاڑ پر پہنچا تو وہاں سے نیچے اترنا مشکل و متعذر معلوم ہوا اُس وقت یہ ترکیب کی کہ بعض سپاہی تو رسیاں باندھکر نیچے اُترے اور کچھ یوں ہی پھسل پڑے اور بادشاہ کو ایک جھولا بنا کر نیچے اُتارا مخالفین اسکی خبر سنکر کافور ہو گئے بادشاہ نے وہاں جاکر صرف پہاڑی بکریاں دیکھیں اور آدمی کا پتا بھی نہ پایا اُس وقت یہ حکم دیا کہ جہاں اُن لوگوں کا پتہ لگے وہاں جاکر قتل کرو اور اگر دین اسلام پر ایمان لائیں تو چھوڑ دو القصہ جب مخالفوں کو پکڑا تو انھوں نے بظاہر دین اسلام قبول کیا اور رات کو چھاپا مارا بادشاہ نے اس شب خون سے غصے ہو کر سب کو گرفتار کر لیا اور اس مقام سے آگے بڑھکر تہ تیغ کیا اور یادگاری کے واسطے ان کی کھوپریوں کا ایک بڑا سا منارہ بنا دیا اس کے علاوہ ایک اور ماجرا سنیئے روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ جب صاحبقران عیاء کنگ سے پھرنے لگا۔ جاسوسوں کو باغیوں کی خبر لگانے کے واسطے بھیجا انھوں نے آکر یہ خبر سنائی کہ ہندوستان کے راجاؤں میں سے ساجہ رتن نامی نے کوہ سوالک پر اس قدر لشکر فراہم کیا ہے کہ قوت ناطقہ اس کے شرح و بیان

سے عاجز ہے اور یقین ہے کہ چشم فلک نے بھی ایسی فوج نہ دیکھی ہوگی اور پناہ گیر بھی ایسے پہاڑوں میں ہوا ہے کہ جب تک جھاڑی نہ کٹے اور راستہ صاف نہ ہو کسی طرح پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ پادشاہ مذکور نے اس بات کو سنکر رات کا بھی خیال نکیا اور اُسی وقت حکم دیا کہ تمام سپاہی مشعلیں جلوا کر درخت کاٹنے کو جائیں۔ اور بہت جلد راستہ صاف کریں غرض پادشاہ کی تدبیر سے اُس ایک رات میں بارہ کوس زمین صاف کر کے مسافت قطع کی اور جمعرات کی صبح کو پادشاہ کا نشان کوہ شوالک و جبال کوکے درمیان جا پہنچا اور دیکھا کہ راجہ مذکور نے پادشاہ کی گھات میں ایک لشکر جرار بمین و یسار آراستہ و پیراستہ کر رکھا ہے اور خود بھی مستعد بہ پیکار کھڑا ہے۔ مگر جس وقت اول مرتبہ صدائے کوس بلند ہوئی اور مردان ولاور نے للکارا ان پر ایسا رعب چھایا کہ کوسوں تک پتا نہ لگا واویلا کرتے ہوئے جنگلوں میں بھاگ گئے۔ شعر

نالاں نہیں ہے تنہا اس راہ میں جرس تو ٭ روتے گئے ہیں کتنے یکلخت دل کے ہاتھوں

بادشاہ نے تعاقب کر کے لاکھوں آدمیوں کو قید ہستی سے رہا کیا دوسرے دن اس سے بھی اوپر کے پہاڑ پر گئے وہاں بھی ایسا ہی حال ہوا کہ سب بھاگ گئے اور تیمور نے فتح پائی حضرت میں یہ کہتا ہوں کہ نہ تو دلی پر تقدیر نے کام دیا اور نہ برف کے پہاڑ پر ہمراہی کی اور نہ یہاں کچھ سلوک کیا او تدبیر نے کسی جگہ بھی پہلو تہی نہ کی قبلہ ہر کام میں تدبیر شرط ہے۔ شعر

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا ٭ تو آب دودھ کو لیکر کہیں نہ ہو پیدا

اس کا جواب دیجئے

جواب۔ شعر

فرما دیگے جو تم تو اٹھاؤں گا میں یہ پہاڑ ٭ پر جھوٹ کہنے جائیگی مجھ سے اُٹھائی بات

قبلہ اگر آپ صاحبقران کی وجہ تسمیہ سے واقف ہوتے تو کبھی اُس کے واقعات کی تدبیر سے مشابہت ندیتے چونکہ آپ ناواقف ہیں اس سبب سے مجملاً بیان کرتا ہوں صاحبقران اُس شخص کو کہتے ہیں کہ اس کی ولادت یا نطفے کے وقت زحل و مشتری ایک ایک برج میں ہوں اور یہ قران ہزاروں برسمیں واقع ہوتا ہے اِن دونوں سیاروں کے جمع ہونے سے یہ فایدہ ہے کہ وہ شخص نیک طالع ہوتا ہے اور اسکی سلطنت بھی ایک عرصے تک قایم رہتی ہے۔ امیر تیمور کی پیدایش کے وقت ایسا ہی ہوا تھا اور اُسکے خاندان کی سلطنت بھی مدت تک رہی۔ مگر میری آپ کی تاریخی بحث ہے اسواسطے تاریخ سے جواب دیتا ہوں۔ اول تو محمود کی فوج آزمودہ کار نہ تھی دوسرے تیمور کے فریب نے جس کو آپ نے تدبیر قرار دیا ہے رہا سہا پراگندہ کردیا۔ اور اگر شہر والوں نے کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے تو تقدیر نے یاری نہ کی اپنا دل مار کر بیٹھ رہے ؎ شعر

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ؎ دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

تیمور کا نصیب مددگار تھا فوراً فتح پائی اس کے علاوہ برف کے پہاڑ پر بھی تقدیر نے یاری کی تھی کہ وہ اُس کی فوج گلنے سے بچ گئی اگرچہ کوہ شوالک پر راجہ رتن کے پاس کچھ کم فوج نہ تھی مگر اس کے اقبال سے رعب چھا گیا اس سبب سے فتحیاب ہوا اب اس کے نیک نصیب ہونیکی مثالیں سنیئے اس نے اکثر دشمنوں کو کئی کئی مرتبہ چھوڑا ہے اور پھر ان کی بغاوت پر خیال نہیں کیا۔ جس وقت کوئی سردار عاجزی سے پیش آتا تھا یہ اُسی وقت اس کی خطا معاف کردیتا تھا اور وہ پھر باغی ہوکر مقابلہ کرتا تھا۔ مگر یہ ہر دفعہ اپنی قسمت سے فتح و نصرت پاتا تھا جب راؤ دولچند والئے قلعہ بطیہ پر حملہ کیا اور فتح کے قریب پہنچا تو راجہ ندکور نے ایک سید کو سفارش کے واسطے بھیجا کہ للہ آپ صاحبقران سے یہ فرمایئے کہ اگر حضور آج کے دن امان دیں گے تو کل قلعے کا دروازہ کھول دونگا اور آپ کی اطاعت قبول کروں گا۔ بادشاہ کو سیدوں کی

خاطر منظور تھی قلعے کے گرد سے تمام سپاہ کو بلا لیا جب اُس نے دوسرے دن وعدہ وفا نہ کیا تو تیمور نے منغص ہوکر اپنے سرداروں کو فرمایا کہ ہر ایک سردار فصیل میں نقب کھودے اور جس طرف سے مناسب ہو اپنی اپنی متعلقہ سپاہ ہمراہ لیکر قلعے کے اندر داخل ہو بادشاہ کے حکم سے سب نقب زنی میں مصروف ہوئے ہر چند قلعے کے اوپر سے تیر اور پتھر برستے تھے مگر انہوں نے ان سب کو تقدیر کے حوالے کیا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے **مصرع**

ہر چہ آید خوش بود خواہے شفا خواہے الم

راؤ دول چند اور اس کے امیر اس حال پر ملال سے مضطر و سراسیمہ ہوکر رونے لگے اور نہایت عجز و انکسار سے کہا کہ ہم نے اپنا مرتبہ نہیں جانا تھا جو ایسے شہنشاہ سے مقابلہ کیا اب ہم صاف اور پاک نیت سے اطاعت قبول کرتے ہیں امید واثق ہیں کہ بادشاہ بھی عواطف خسروانہ اور مراحم شاہانہ سے ہمارا قصور معاف فرمایئے بادشاہ نے قبول کیا راؤ دول چند نے اُسی دن چار گھڑی دن رہے اپنے بیٹے اور نائب کو تحفہ و تحایف دیکر جہاں پناہ کی خدمت میں بھیجا بادشاہ نے اسکو خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ دوسرے روز راجہ صاحب خود حاضر ہوئے اور وہ بھی خلعت شاہی سے مشرف ہوئے جس وقت راؤ دول چند بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس کے بھتیجے نے قلعے کے دروازے بند کر دیے اور بغاوت پر کمر باندھی تیمور نے پھر فوج روانہ کی جب اُس کے بھتیجے نے سیل بلا کو اپنے اوپر محیط دیکھا اور جانا کہ قضا و قدر سے مقابلہ کرنا احاطۂ بشریت سے باہر ہے اپنے بھائی اور ایک بیٹے کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور عذر کیا۔ **شعر**

تقصیر کردہ ایم و تو مارا باعتذار ٭ صد لطف مے نمائی و شرمندہ میکنی

اور سب دروازوں کی کنجیاں بادشاہ کے سپرد کر دیں جب حضور والا نے امیر شیخ نورالدین

اور امیر اللہ وغیرہ کو ان کے ساتھ بھیجا تو پھر لڑنے اور مرنے پر مستعد ہوئے اور قلعے پر قبضہ نہیں دیا بادشاہ نے یہ خبر سنکر ان کی کمک کے واسطے اور فوج روانہ کی انہوں نے جاتے ہی قلعہ کے دروازے توڑ ڈالے اور مکانات جلادیے اور وہ ہاتھ دکھلائے کہ اگر رستم بھی ہوتا تو ان کے ہاتھ چومتا اور دلیری میں ان کا شاگرد ہوتا کہتے ہیں وہاں بڑے بڑے قوی ہیکل اور آہن گسل جوان موجود تھے اگر فیروز سیستانی اور مزید بغدادی اس کی تندی کو پہنچتے تو شیخ نورالدین کو کبھی کا مار ڈالا ہوتا الحاصل پادشاہی فوج نے دس ہزار مخالفوں کو مار کر فتح پائی۔ اسی طرح فیروز آباد و تغلق پور پر معاملہ ہوا مگر طوالت کے باعث سے اُسے چھوڑ کر ایک اور چھوٹا سا ذکر چھیڑتا ہوں جب سلطان تیمور تغلق پور کی طرف روانہ ہوئے تو شب کو امیر اللہ وغیرہ سرداروں نے مقام قراولی سے یہ خبر بھیجی کہ یہاں ہند کے پادشاہوں میں سے ایک شخص مبارک خاں نے بڑی جرار فوج جمع کی ہے اور تمنائے محال خیال میں رکھتا ہے شعر

خیال خام ہیں اُسکے کہ یہ ارمان نکلیں گے ۔ ہو معلوم نکلیں گے تو لیکر جان نکلیں گے

پادشاہ یہ سنتے ہی علی الصباح ایک ہزار سوار لیکر دریائے گنگ سے اُترا اور ایک کوس پھر چلکر صبح کی نماز پڑھی اور بہادران لشکر بے اندیشہ دشمن کی طرف متوجہ ہوئے جب مخالفین کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مبارک خاں دس ہزار سوار اور بیشمار پیادے لئے ہوئے مقابلے کو آمادہ کھڑا ہے اُس وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مخالف شمار میں بہت زیادہ ہیں اور ہمارے آدمی تھوڑے ہیں یعنی اُس کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں ہیں کیا کر سکیں گے اور جو سپاہ شہروں کے فتح کرنے کو گئی ہے وہ بہت دور ہے۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود اب اِس کے سوا کوئی اور بات نہیں بنتی ہے کہ تحمل کو نہ چھوڑیں اور توکل اختیار کریں بلکہ اس لڑائی میں اپنی کوشش اور سعی سے بالکل ہاتھ اٹھائیں اور جو کچھ ظہور میں آوے اُسے

تقدیر کی طرف سے سمجھیں کیونکہ اس وقت خدا کے سوا اور کوئی فریادرس نہیں ہے۔ شعر
شاہا اگر نہ لطف تو فریاد ما رسد ٭ پیدا بود کہ کوشش ما تا کجا رسد
لطف تو یہ ہے کہ جس وقت انھوں نے سب معاملہ تقدیر کے حوالے کیا اُسیوقت
پانچ ہزار سوار جو مرزا شاہ رخ کے ہمراہ گئے ہوئے تھے ان کے پاس آن پہنچے صاحبقران
نے انہیں دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور فرمایا کہ امیر شاہ ملک اور امیر اللہ ہماری خواصی
کے ہزار سوار لیکر حملہ کریں انھوں نے کچھ اندیشہ نہ کیا اور تلواریں کھینچکر جو گرے تو
مخالف کی فوج کو پریشان کردیا اور اُس کے عیال و اطفال کو قید کرلائے اور بیچارا خان
غیرت کا مارا کہیں جنگل میں جاکر مرگیا۔ شعر
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن ٭ جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
بھائی جان اگر قسمت یاری نہ دیتی تو یہ سوار کہاں سے آتے اور اگر ان کا آنا ہی تھا
تو کل چھ ہزار سوار دس ہزار سے زیادہ فوج کو کیونکر شکست دے سکتے تھے۔
سوال ۹۔ حضرت آپ جانتے ہیں کہ بابر نے سمرقند کو کیونکر فتح کیا تھا جسوقت
یہ اپنے ملک موروثی سے نکالا گیا تو اُس نے دو سو چالیس آدمی جمع کیے اور سمرقند
پر جہاں ایک بڑی بھاری فوج موجود تھی حملہ آور ہوا اور یہ تدبیر کی کہ آدھی رات کو
شہر کے نزدیک جاکر فصیل کود کر شہر کے اندر داخل ہوگیا اور دفعتہً فتح کا غل مچادیا
سمرقند کا بادشاہ یہ شور و غل سنکر اپنے دارالخلافہ سے بھاگ گیا بابر فوراً وہاں کا بادشاہ
ہوگیا۔ اس کے علاوہ جب سلطان ابراہیم سے لڑنے کو آیا تو اس وقت ابراہیم کے
پاس ایک لاکھ سوار اور ایکہزار فیل جنگی موجود تھے اور ظہیرالدین کے پاس بارہ ہزار
سے زیادہ فوج نہ تھی اس نے دہلی کے قریب پہنچکر پانچ ہزار سواروں کو شبخوں مارنے
کے واسطے بھیجا مگر غنیم آگاہ ہوگیا تھا اس سبب سے ناکام پھر کر چلے آئے سلطان
ابراہیم لشکے خالی پھرنے سے بہت دلیر اور ان پر شیر ہوگیا اور جلدی سے فوج آراستہ

کرکے پانی پت کو روانہ ہوا بابر نے یہ خبر سنکر اپنے لشکر کو اسکی طرف بھیجا ابراہیم نے اسباب کا پتا لگا کر وہیں قیام کیا القصہ دونوں لشکروں کا پانی پت پر مقابلہ ہوا پادشاہ دہلی اہل ہند کی طرح بڑے تجمل و شان و شوکت سے لڑنے کو آیا جس وقت بابر کی فوج کے پاس پہنچا تو وہ ساری تیزی اور چالاکی جاتی رہی ظہیر الدین بابر یہ حال دیکھ کر حکمت عملی عمل میں لایا کہ کچھ فوج تو یمین و یسار کھڑی کردی اور کچھ سیاہ پوشیدہ ابراہیم کے لشکر کے پیچھے بھیجدی۔ غرض چاروں طرف سے گھیر لیا اور ہر طرف سپاہ پھیل گئی۔ پھر لڑائی شروع ہوئی چونکہ ابراہیم آزمودہ کار اور عاقل اور ہوشیار نہ تھا چھ سات ہزار آدمیوں کے ساتھ ایک موضع کے قریب مارا گیا۔ مگر بابر کو اس کے مرنے کی خبر نہیں ہوئی اس سبب سے دوپہر تک ہنگامہ رزم گرم رہا اور افغانوں کے قتل کرنے میں کسیطرح کوتاہی نہ ہوئی جب بابر ابراہیم کے لشکر کی سیر کرنے کو دریائے جمنا کے پاس پہنچا۔ تو وہاں سلطان ابراہیم کا سر پیش ہوا اُس وقت پچاس ہزار افغان مرنیکے بعد لڑائی موقوف ہوئی۔ اُسی روز شہزادہ ہمایوں کو شہر آگرہ کے بندوبست کو روانہ کیا اور کچھ سردار دہلی کی محافظت کے واسطے بھیجے اور دو تین روز کے بعد بابر دہلی میں آکر تخت پر بیٹھا۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے کہ تدبیر نے اُسکے ساتھ کیسے کیسے سلوک کئے ہیں کہ ہر جگہ تھوڑی سی فوج سے فتحیاب ہوا ہے اور تقدیر کا نام بھی سنا کہ کس جگہ کام دیا اور کہاں کہاں سرانجام کیا اسکا بھی جواب دیجئے۔

جواب ۹ ۔ حضرت اس کا باعث بھی تقدیر ہے کہ چندروز کے واسطے سمرقند فتح ہوگیا تھا اگر تدبیر سے اس کا تعلق ہوتا تو ہمیشہ بابر کے پاس رہتا دوسرے اس سے پہلے بھی تو اس نے کئی مرتبہ وہاں کا ارادہ کیا تھا فتح کیوں نہیں پائی اُس وقت جو قسمت میں شکست لکھی تھی تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا دیکھو جس وقت محمد مرید ترخاں جو سلطان علی مرزا پادشاہ سمرقند کے بڑے معتبر سرداروں امیروں میں سے تھا اپنے حاکم شاہ سمرقند

سے برگشتہ ہوکر جان مرزا ولد محمود سلطان سے جا ملا تھا اور اسکو ہمراہ لیکر سمرقند پر چڑھائی کرکے شکست کھائی تھی اور وہاں سے پھرتے وقت بابر کے پاس قاصد بھیجکر سمرقند تسخیر کرنے کی ترغیب دی اور ظہیر الدین بابر نے اُس کے کہنے پر عمل کرکے سمرقند کی طرف لشکرکشی کی تھی اور جب اثنائے راہ میں محمد مرید ترخاں خود بابر سے ملا اور باہم مشورت کرکے خواجہ قطب الدین یحییٰ قدس سرہٗ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ اس امر میں کیا فرماتے ہیں آیا ہم وہاں کا ارادہ کریں یا نہیں انہوں نے جواب دیا کہ جب قلعے کے پاس پہنچوگے تو انشاءاللہ تعالےٰ تمہاری آرزو حاصل ہو جائے گی۔ مگر بابر کے لشکر میں سے ایک سپاہی بے سبب بھاگ کر سمرقند میں گیا اور انکے ارادے و خواجہ صاحب کے جواب سے آگاہ کر دیا اس وقت ان کی تدبیر تقدیر کے موافق نہ ہوئی خالی پھر کر چلے آئے اور راستے میں ہزاروں اونٹ گھوڑے ضایع ہوئے اور سینکڑوں آدمی پہاڑوں میں ٹکرا کر مر گئے۔ مگر جب دوبارہ انہوں نے اپنے امیروں سے مصلحت کی تو اس میں یہ صلاح قرار پائی کہ ورہنو لا شیبانی خاں نے سمرقند کو لیا ہے اور ابھی تک وہاں کے آدمی بخوبی اُس سے مانوس نہیں ہوئے ہیں سمرقند میں پوشیدہ چلیں اور جو کچھ مناسب وقت ہو کریں چونکہ وہ ہمارا موروثی ملک ہے اگر وہاں کے آدمی مدد نہ کریں گے تو بدی سے بھی پیش نہ آئیں گے اور جب شہر ہمارے قبضے میں آجاویگا تو جو کچھ تقدیر میں ہوگا وہ خود ظاہر ہو جائے گا یہ نیت کرکے چلے تھے کہ شہر والوں کو ان کے عزم کی خبر ہو گئی۔ بادشاہ نے اس باعث سے بظاہر مراجعت کا قصد کیا اور دو چار کوس اس طرف آکر ڈیرہ ڈالدیا اُس وقت خواب میں دیکھا کہ نصیر الدین عبداللہ قدس سرہٗ اس کی طرف چلے آتے ہیں۔ اس نے اُن کا استقبال کرکے بڑی تعظیم وتکریم سے سب سے اوپر بٹھایا اور اپنی پگڑی ان کے قدموں میں بچھادی انہوں نے متغیرانہ اس کی طرف نگاہ کی اس نے کنایتہً واشارتہً عذر کیا اور کہا کہ

اس امر میں بیرا کچھ گناہ نہیں ہے خان سالار کی تقصیر ہے وہ ان کا عذر سنکر مجلس میں سے اٹھے اور چلنے لگے بادشاہ نے ان کی مشایعت کی جب دالان کے پاس پہنچے تو اس کا ایک بازو پکڑکر زمین سے اٹھالیا اتنے میں بادشاہ کی آنکھ کھل گئی اور یقین ہوا کہ کل مراد شگفتہ ہوگا۔ اس طرح خاطرجمع کرکے پھر سمرقند پر حملہ کیا اور آدھی رات کو سیڑھی لگاکر شہر کی فصیل پر چڑھ گئے اور جو شہر کے آدمی ان سے ملے ہوئے تھے انھوں نے مدد کی انھوں نے فتح پائی اس کے چند روز بعد شیبانی خاں نے ان کو ایسی بھاری شکست دی کہ دس پندرہ آدمی سے زیادہ ان کے پاس نہیں بچے اور کئی مہینے تک سمرقند کو گھیرے پڑا رہا اور انہیں دنوں میں کال پڑ گیا آدمی کو آدمی کھانے لگا۔ بابر نے ہر چند ادھر ادھر ایلچی بھیجے مگر چونکہ تقدیر برگشتہ تھی کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچا **شعر**

داد کو تو پہنچنا معلوم ہے ۔ + کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

غرض ایک روز سو آدمی ہمراہ لیکر اندجان کو بھاگ گیا اور جب وہاں بھی شیبانی خاں وغیرہ نے ہر طرح ان کو ستانا شروع کیا تو بہ عاجز ہوکر مدینۃ الرجال میں گئے وہاں کے حاکم امیر محمد باقر نے جس کو ازبکوں نے نیچین کر رکھا تھا انکو غنیمت جانکر اپنا دمساز و ہمراز بنایا اور یہ سمجھا کہ **مصرع**

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

بابر نے بھی اس کو اپنا غمگسار اور چارہ ساز سمجھ کر کسی طرف نکلجانے کی صلاح پوچھی اور یہ کہا کہ بھائی میں ان دنوں میں چوگان روزگار کے دائرے میں گیند کی طرح گرفتار ہوں اور شاہ شطرنج کے مانند خانہ بخانہ وہ ہوا کی طرح سو بسو پھرتا ہوں اور حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہوں اور جب اپنے حال پر نظر کرتا ہوں تو شومی طالع کے سوا کچھ قصور نہیں پاتا ہوں **شعر**

یاوری دیکھیے نصیبوں کی + دوست بھی ہوگئے مرے دشمن
کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی + حال دل تجھ کو ہووے گا روشن

جو کچھ آپ کی رائے میں آئے اور میرے حق میں اچھا ہو از راہ دوستی اسکی صلاح دیجئے تاکہ میں اُس پر عمل کروں اور کوئی دن اِس پریشانی سے بچوں محمد باقر نے کہا۔ کہ حضرت آپ کیوں ہراساں ہوتے ہیں کیا ہمیشہ یہی دن رہیں گے ہر ایک تکلیف کے بعد راحت منظور ہے **شعر**

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست + مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

کوئی دن صبر کیجئے اپنے دل کو تسلی دیجئے اگرچہ مخالف نے ماوراء النہر وغیرہ کو فتح کرلیا ہے اور تمام سپاہ و رعیت پریشان اور خستہ حال ہے اور وہ مثل ہو رہی ہے کہ دشمن سوئے نہ سونے دے ع

ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست

ہم کو مناسب ہے کہ یہاں سے کابل میں چل بسیں اور ازبکوں کے ملک سے توبہ کریں بابر نے اِس تجویز کو پسند کیا اور جواب دیا کہ **مصرع**

بیدل نیم ہنوز بہ بینیم چہ میشود

اور کابل میں آکر سکونت اختیار کی اسی جگہ ہمایوں پادشاہ پیدا ہوا جب اسکو یہاں بھی دغدغہ اور اندیشہ لگا رہا تو اس نے ہندوستان پر چڑھائی کرنی شروع کی غرض چار حملوں میں سندھ پشاور سیالکوٹ تک ہو گیا۔ مگر کوئی بات حسب مراد نہیں ہوئی ناچار چپکا ہو کر بیٹھ رہا اور سب معاملہ خدا پر سونپ دیا۔ **شعر**

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو + الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضئے الٰہی ہو

مگر جس وقت قندھار فتح کرکے کامران مرزا کو عنایت فرمایا۔ پھر تقدیر موافق ہوئی کہ خود بخود دولت خاں لودھی نے ابراہیم سے بدگمان ہو کر اپنے ایک معتمد آدمی کو

بابر کی خدمت میں بھیجا اور کابل سے دہلی میں تشریف لانے کی استدعا کی اسی اثنا میں شاہزادہ محمد ہمایوں بدخشاں سے آیا اور بہت سا لشکر فراہم کرکے لایا اور انہیں دونوں میں ایک شخص غزنین کے سرداروں میں سے آکر شرفیاب ملازمت ہوا اور ایک شخص نے لاہور سے خزانہ بھیجا۔ غرض اب ہر طرف سے نسیم مراد چلنے لگی بابر نے اس خوشی میں ایک بڑا بھاری جشن کرکے تمام ملازمان بارگاہ کو انعام و اکرام سے محظوظ و خوشدل کیا۔ شعر

عطائے چنیں کرد فرخندہ پے + کہ طے شد ز جود و کرم نام طے

بعد ازاں لاہور کی طرف متوجہ ہوئے وہاں اکثر سرداروں امیروں مثل محمد علی و خواجہ حسین وغیرہ نے ملازمت حاصل کی اور بہت سے لڑکر پریشان ہوگئے۔ القصہ جب لڑتے بھڑتے دہلی کے قریب پہنچے تو شاہ عماد الملک شیرازی نے دو چار امیروں کی عرضیاں کہ اس میں سراسر تشریف آوری و جلوس فرمائی کی ترغیب و تحریص تھی پیش کیں۔ اور بیس افغان جلوانی جو ابراہیم کے مقرب امیروں میں تھا و تین ہزار سوار لیکر آن ملا پھر ابراہیم سے لڑائی ہوئی۔ اور اس پانچویں حملے میں ظہیر الدین بابر نے فتح پائی سچ ہے۔ شعر

چو شہ را بخت باشد یار و رہبر + سپاہش جا و داں گردد مظفر

بھائی صاحب جس وقت بخت یاور ہوتا ہے اُس وقت دشمن بھی دوست بنجاتا ہے اور خودبخود تدبیریں نکلتی چلی آتی ہیں۔ اقبالمند آدمی سے کیسی ہی لغو بیہودہ بات کیوں نہ ہو مگر وہ بھی دانائی میں شمار کی جاتی ہے۔ ہر ایک بلا سے خود آگاہ ہوجاتا ہے ایک دفعہ ابراہیم پادشاہ کی ماں نے جسکو بابر نے بڑی عزت اور توقیر سے رکھا تھا احمد چاشنی گیر اور باورچیوں وغیرہ سے ملکر پادشاہ کے طعام خاصے میں زہر ملوا دیا تھا جب تناول طعام سے پادشاہ کا دل گھبرانے لگا اور طبیعت میں غثیان معلوم ہوا

تو کھانے سے ہاتھ کھینچا اور قے کر کے نجات پائی جب ان لوگوں کو تشفی دلاسا دیکر پوچھا تو انہوں نے صاف اقرار کر دیا کہ ہم نے فلاں شخص کے فریب میں آکر یہ بات کی تھی۔ پھر بابر نے امتحاناً اُس طعام کو کتے کے آگے ڈالا فوراً اسکا پیٹ پھول گیا اور تین روز تک بےحس و حرکت پڑا رہا غرض جس کسی نے اسکو کھایا تھا بصد ہزار مشقت بچا اگر قسمت میں زندگی نہ ہوتی تو بادشاہ کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ جب بادشاہ کو امرائے ہند سے اعتماد اٹھ گیا اور ہر ایک امیر نے اپنی اپنی فوج لیکر اس کو ستانا شروع کیا۔ اُس وقت سب نے یہ تدبیر بتائی کہ یہاں سے چلد بجئے اور مضافات سندھ میں قیام کیجئے یہاں تک ہوا کہ نجومیوں نے بھی یہی صلاح دی کہ اب یہاں ٹھیرنا تدبیر کے خلاف ہے۔ مگر بادشاہ نے ایک کی بھی رائے کو نہ مانا اور قسمت پر توکل کر کے یہ جواب دیا کہ صاحب آخر ایکروز سبکو مرنا اور اس دنیا کو چھوڑنا ہے اگر یہاں سے چلے جائیں گے تو کیا اپنی عمر سے زیادہ جئیں گے۔ **شعر**

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت + پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

اور اگر لڑکر مریں گے تو دین دنیا میں مفتخر ہوں گے اس بات کو سنکر سب خاموش ہو رہے اور اپنا سا منہ لیکر رہگئے اور سپاہ نے قسم کھائی کہ ہم سب آپ پر تصدق ہونگے اور یہاں سے نہیں ہٹینگے۔ **شعر**

پھرتا ہے پیل حوادث سے کہیں مردوں کا منہ + شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

اب حضور ہی انصاف کریں کہ تقدیر کے بغیر کہیں بھی تدبیر کام آئی یہ جواب تمام ہوا اور سوال کیجئے۔

سوال ۱۰۔ حضرت اگر سلطان ہمایوں با تدبیر ہوتا تو کیوں اپنے بھائیوں کو اتنی قسمت دیکر طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتا چونکہ بے تدبیر اور کم فہم تھا اس سبب سے دربدر ٹھوکریں کھاتا اور مدد مانگتا۔ پھر اور تمام عمر میں کبھی چین سے نہ بیٹھا اگر تحمل و

حلم کو ترک کرتا اور اپنا وطن نہ چھوڑتا تو البتہ امن میں رہتا اور داناؤں میں شمار کیا جاتا۔ **شعر**
ذوق ہے ترک وطن میں صاف نقص آبرو + بکتا پھرتا ہے گُہر ہو کے سمندر سے جُدا
جواب ۱۰۔ قبلہ ہمایوں کو بیوقوف آپ ہی کی زبان مبارک سے سنا ہے آجتک کسی مورخ نے بد قسمت کے سوا کچھ نہیں لکھا معلوم نہیں آپ نے کیونکر نادان سمجھا ہے میرے نزدیک **شعر**
آئینہ خانے میں عالم کے سمجھ لے یہ مثال + تا تجھے جانیں کہ یہ صاحب نظر اچھا ہوا
ہے بُرا تو ہی اگر آیا نظر تجھ کو بُرا + تو ہی اچھا ہے تجھے معلوم گر اچھا ہوا
بھائی صاحب ابتدائے سلطنت میں اس نے بہت شجاعت کی اور اکثر ملکوں کو مثل گجرات وغیرہ فتح بھی کیا سوا اسکے اور اکثر دانائیاں اُس سے ظاہر ہوئیں دیکھو چمپانیر کے قلعے کو جو ایک بلند پہاڑ پر بڑا مستحکم بنا ہوا تھا کس حکمت اور دانائی سے فتح کیا تھا مخالفوں کو اسکا گمان بھی نہ تھا کہ یہ مقام فتح ہو جائے گا۔ مگر ہمایوں نے کیا کام کیا کہ تمام فوج کو اُسکے اطراف میں چھوڑا اور آپ رات کے وقت تین سو چیدہ جوان لیکر لوہے کی میخیں گاڑتا ہوا اوپر چڑھ گیا اور دشمنوں سے اُس قلعے کو چھین لیا اس کے علاوہ جس دانائی سے اُس نے بہادر شاہ والئے گجرات کا خزانہ ایک شخص سے دریافت کیا تھا۔ وہ تاریخ میں دیکھ لو اگر بیوقوف ہوتا تو یہ حکمت نہ سوجھتی مگر بعد ازاں جو اس کی قسمت نے گردش کھائی تو اس کے بھائی جنکو بابر کے وقت سے اقتدار حاصل تھا برسر پرخاش ہوئے اور یہ موقع دیکھ کر شیر خاں پٹھان نے بھی جس کے باپ دادا کو کبھی جاگیر داری کے سوا حکومت کا حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ قلعہ رہتاس کو راجہ ہرکشن سے بوسیدہ دغا فتح کرکے ہمایوں کے مقابلے کا سامان کیا۔ سچ ہے۔ **شعر**
نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا + سر پہ شیطان کے ایک اور بھی شیطان چڑھا

جب ہمایوں شیر خاں سے لڑنے کو گیا اور بنگالے میں پہنچا تو ایسی شدت سے برسات ہوئی کہ سب ندی نالے بھر گئے اور ہمایوں کے لشکر میں ایسی وبا پھیلی کہ ہزاروں تو مر گئے اور لاکھوں جان کے خوف سے بے اطلاع و اجازت نوکری چھوڑ کر آگرے کی طرف چلنے لگے اور بادشاہ بھی ناچار ہو کر اکبر آباد کو متوجہ ہوا مگر اثنائے راہ میں شیر خاں سے لڑائی ہوئی اس نے بادشاہ کو شکست دیکر شیر شاہ اپنا لقب مقرر کیا جب ہمایوں نے وہاں سے بھاگ کر گنگا میں گھوڑا اڈالا تو وہ یابو عین منجدھار میں تھک کر ڈوب گیا اور تمام فوج تباہ ہو گئی۔ **شعر**

حسرت پہ اُس مسافر بیکس کے رویئے + جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

بادشاہ غوطے پر غوطہ کھانے لگا اُس وقت نظام سقے نے یہ حال دیکھکر بادشاہ کو مشک پر سوار کر کے بڑی جان جھوکوں سے نکالا بادشاہ نے اس خدمت کے عوض میں اُس سقے کی خواہش کے موافق نصف دن کی سلطنت دی جسمیں اُس نے چمڑے کا روپیہ چلایا اور اپنی قوم کو متمول کر دیا حاصل یہ ہے کہ دو دفعہ ہمایوں نے شیر شاہ سے مقابلہ کیا اور دونوں مرتبہ گنگا میں ڈوب کر ترا جب کہیں ٹھکانہ نہ پایا تو اس قول پر عمل کر کے ایران کو چلا گیا۔ **شعر**

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن + کہ جاہا سپر باید انداختن

غرض۔ **شعر**

چرخ میں گردش افلاک نے ڈالا اُسکو + خانہ برباد کیا گھر سے نکالا اُس کو

الحضرت **شعر**

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک + لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

جس وقت ایران میں پہنچا تو وہاں اُسکی بڑی خاطر اور مدارات ہوئی شاہ ایران نے اول سے آخر تک ساری سرگذشت سنی اور نہایت خوشی سے ملاقات کر کے فرمایا **شعر**

خوش آمدی زکجا میرسی بیا بنشیں + بیا کہ دیدہ بہت بر دو دیدہ جا بنشیں

ہمایوں نے شیر شاہ وغیرہ کی خصومت اور اپنی مصیبت بیان کرکے کہا کہ **شعر**

مژگانِ ترہوں یارگِ تاکِ بریدہ ہوں + جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار + ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

بھائی صاحب ایک زمانہ دشمن ہوگیا ہے کس کس کا گلہ کروں بھائیوں کے خون سفید ہوگئے محبت جاتی رہی **شعر**

کیا کہیں خاک کہیں کینہ وروں نے مارا + جا نکر سیدھا سا بیچارہ مسلماں ہم کو

سلطان طہماسپ شاہ فارس نے ان کو پناہ دی اور چلتے وقت دس ہزار سوار دیکر کہا کہ میں ہر طرح سے تمہارا معین و مددگار ہوں تم اپنے ملک موروثی کو حاصل کرو جب پھر قسمت مساعد ہوئی تو وہاں سے فوج لیکر آیا اور اپنا ملک فتح کرکے ایسا انتظام کیا کہ تا وقت مرگ بے کھٹکے سلطنت کرتا رہا حضرت اُس کے ذکر میں تو کہیں بھی بے تدبیری کا حال نہیں دیکھا مگر حضور سے سنا ہے سو یہ قابل اعتبار نہیں بھائی جان جس کام کا انجام اچھا ہوتا ہے اُسکو بُرا نہیں کہتے ہیں۔ **شعر**

قطرہ دریا میں جو ملجائے تو دریا ہو جائے + کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اور اس بادشاہ کی تو ابتدا بھی اچھی ہوئی اور انتہا بھی اچھی طرح سے گذری اس سے زیادہ کون خوش قسمت ہوگا **مصرع**

صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

اور بیچ میں جو کچھ مصیبتیں اٹھائیں اور اسکے اختیار کی نہیں تھیں قسمت سے تعلق رکھتی تھیں۔

سوال ۱۱- آپ کو معلوم ہے کہ خلایق اکبر بادشاہ کی آجتک کیوں توصیف کرتی ہے اس کی وجہ صرف تدبیر ہے کہ اُس نے ایسی ایسی تدبیریں نکالیں تھیں کہ خود بخود انسان کا دل مطیع ہونے کو چاہتا تھا از انجملہ ایک یہ بھی تدبیر تھی کہ تعصب مذہبی کو

پاس نہ آنے دیتا تھا اس سبب سے یہ سبکو اور سب اسکو عزیز تھے **شعر**

غرض کفر سے تھا نہ کچھ دیں سے مطلب + تماشائے دیر و حرم دیکھتے تھے

دوسرے جن راجاؤں یا سرداروں کا اسکو اندیشہ تھا ان کی بیٹیوں سے شادی کرکے اس قدر روپیہ جہیز وغیرہ میں خرچ کروا دیا تھا کہ آیندہ بغاوت کی طاقت نہ رہی۔ بلکہ ایک نوع کی عزیزداری و محبت قلبی ہوگئی اس کے علاوہ اکثر محصول معاف فرمائے اور شہر کے باہر دو لنگرخانے بنوائے کہ ایک میں صرف مسلمانوں کے واسطے لنگر جاری رہے اور دوسرے میں خاص ہندوں کو کھانا ملا کرے قبلہ اگر یہ تدبیریں نہ نکالتا اور تقدیر کے بھروسے پر رہتا تو کبھی اس کی سلطنت کو رونق نہ ہوتی۔

جواب ۱۱۔ حضرت جو کچھ آپ فرماتے ہیں بجا ہے مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ اُن مصیبتوں سے جو اُسکے باپ کے وقت میں پیش آئی تھیں۔ یعنی کبھی تو کامراں سے تکلیف اٹھائی کہ اس نے فصیل سے لٹکا دیا اور توپ سے باندھ دیا اور کبھی والدین سے جدا ہوا نہ بچتا یا بہرام خاں سا خیر خواہ نہ ملتا تو کیونکر سلطنت نصیب ہوتی یہ صرف تقدیر کی خوبی ہے کہ وہ ان حادثوں سے بچا اور بڑے بڑے دانا مثل ابوالفضل و بیربر وغیرہ اُسکو میسر آگئے جو ہمیشہ خیر خواہی کا دم بھرتے رہے اور کبھی یہ نہ سمجھے کہ اس سے بغاوت کرکے کچھ ملک دبالیں دوسرے اگر اس کی تقدیر تدبیر کی موید نہ ہوتی۔ تو کسی طرح یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ناخواندہ صغیر سن لڑکا کل امور سلطنت کو سنبھالتا اور نیک نامی حاصل کرتا۔ مگر یہ مثل مشہور ہے۔ **شعر**

سرمہ ہے سفاک شہرہ ہے نگاہ یار کا + سچ کہا ہے باڑھ کاٹے نام ہو تلوار کا

اس نے بھی اپنے طالع کے مدد سے ناموری پیدا کی سنو اگر بہادران بیرم خانی شجاعت نہ کرتے یا شاہ قلی خان محمد شاہ عدلی کے وزیر کو نہ پکڑلاتا اور طرح دیجاتا تو ہیموں بقال ایسا نہ تھا کہ خاندان تیموریہ کا نام و نشان باقی رکھتا۔ اول اُس نے کچھ تھوڑا زور نہیں لگایا

تھا کہ اکبر کو ستلج کے پار تک بھگا دیا۔ مگر بادشاہ کا اقبال جو ترقی پر تھا اُس کی تدبیر کے موافق ظہور نہ ہوا اور دہلی میں آکر عیش و عشرت میں پڑ گیا بلکہ بادشاہی کے نشے میں ایسا مخمور اور چور ہوا کہ اپنی خیر و شر کی ذرا خبر نہ رکھی **شعر**

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ ۔۔۔ سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

سچ ہے جو شخص نفس پروری کرتا ہے وہی نامراد و برباد جاتا ہے **شعر**

نفس بے مقدور کو قدرت ہو گر تھوڑی ہی بھی ۔۔۔ دیکھ پھر سامان اس فرعون بے سامان کا

آخرکار چند روز میں سب ترکی تمام ہوئی اور بہرام خاں نے بادشاہ کے روبرو لا کر عرض کیا کہ حضور اس کافر کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں مگر بادشاہ نے ہرگز نہ مانا اور یہ کہا **شعر**

شرط ہمت نہیں مجرم ہو گرفتار عذاب ۔۔۔ تو نے کیا چھوڑا اگر چھوڑا نہ بدلا لے کر

مگر اس نے اسی وقت خیر خواہی کے جوش میں آکر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ **شعر**

کہتی ہے ماہیِ بریاں کہ دبیرانِ قضا ۔۔۔ داغ دیتے ہیں اُسے جسکو درم دیتے ہیں

حضرت خداوند تعالےٰ نے جس کے واسطے جو کچھ روز ازل میں لکھدیا ہے وہی ظہور میں آتا ہے **شعر**

بہ بدبختی و نیک بختی قلم ۔۔۔ بگردید ما ہمچناں در شکم

قطعہ

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے ۔۔۔ جس چیز کے ناسخ کوئی قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ۔۔۔ غم ہمکو دیا سب میں جو مشکل نظر آیا

جو شخص قسمت کا بادشاہ ہوتا ہے اُس کی بری بات بھی نیکنامی سے مبدل ہو جاتی ہے راجاؤں سے خود استدعا کر کے ان کی بیٹیوں سے شادی کرنی یہ عین بغض و عداوت کی بات تھی گویا کہ اُن کے مذہب میں خلل ڈالنا تھا۔ مگر چونکہ قسمت زبردست تھی سب نے اس کو حکمت کے موافق سمجھا اور اس رشتہ داری سے خوش ہوئے اور

جو تقدیر بری ہوتی تو یہی فساد کی وجہ تھی۔ بھائی صاحب اگر پادشاہی عقل پر منحصر ہوتی تو آجتک کوئی بیوقوف بادشاہ نہ ہوتا آپ نے قطب الدین مبارک شاہ ابن علاء الدین خلجی کا حال سنا ہوگا کہ اکثر اوقات زنانی پوشاک پہن بن ٹھن کر اپنے امیروں کے گھر ناچنے گانے جاتا اور جن حرکتوں کو انسان چھپاتا ہے یہ علانیہ کرتا طوائف کو دربار میں ننگا مادر زاد بلا کر بڑے بڑے امیروں کے برابر بٹھاتا اور ان کے کپڑوں پر پیشاب کروا تا اور بارہا خود بھی ننگا مادرزاد باہر چلا آتا تھا ایسا بیوقوف تھا اور پھر تین برس تک سلطنت کی۔ **قطعہ**

اگر روزی بدانش در فزودے + ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے
بناداں آنچناں روزی رساند + کہ دانا اندراں حیراں بماند

اکثر تاریخوں میں دیکھا اور سنا ہے کہ بڑے بڑے صناع اور عقلمند اس دار المحن سے ارمان لیکر اپنی تیرہ بختی اور دنیا کی سختی سے روتے گئے ہیں اور ہمیشہ ثروت کو پھڑکتے رہے کبھی دولت و حشمت نصیب نہیں ہوئی روٹی سے محتاج رہے

الٰہی شعر

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز + جابجا سوت ہے پانی کی تہ خاک ہنوز

اور سینکڑوں بیوقوف جنکو بات کرنی نہ آئے شام کی کہیں صبح کی سمجھیں ایسے دولتمند ہوئے کہ داناؤں نے ان کی خدمت میں عظمت سمجھی ہے اور اپنی اپنی کتابوں میں ان کی تعریف لکھ گئے ہیں۔ بہت سے جانباز اپنے معشوق کے ناز و انداز پر مر گئے اپنا نام مٹا دیا مگر وصال تک میسر نہ ہوا اور بے عشق لوگوں نے انہیں عاشق سوزوں سے مزے اڑائے اس مقام پر مجھے بھی اپنے ایک دو شعر یاد آئے ہیں **شعر**

رہی کس حسرت چشم فسوں ساز کی حسرت یارب + پودے نرگس کے جو تربت پہ اگا کرتے ہیں

ہم تو پابوسیٔ جاناں کو پھڑکتے ہیں سدا ۔ اور مہندی کے منہ سے وزناٹا کرتے ہیں
نہیں ہنسنے کی ہے احمد کے شکایت بیجا ۔ جنکا دشمن ہو فلک وہ بھی ہنسا کرتے ہیں

سوال ۱۲ حضرت تدبیر وہ شے ہے کہ اگر انسان اس سے خدائی کا دعوےٰ کرے تو بجا ہے کیونکہ اسکے ذریعے سے لاکھوں روپے کما سکتا ہے اور اگر چاہے تو پادشاہی بھی کچھ مشکل نہیں ہے جہانگیر پادشاہ اپنی کتاب تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ مجھکو چند بنگالے اور فرنگ کے بازیگروں نے ایسے عجیب و غریب تماشے دکھائے ہیں کہ اُن کے بیان سے زبان عاجز ہے اگرچہ میں نے اُس کے عوض میں مبلغ دو لاکھ روپے انعام دیئے اور وہ خوش ہو گئے۔ مگر میں اِس انعام کو اُن کے تماشوں سے کم اور حقیر جانتا ہوں اور مدعا یہ ہے کہ انھوں نے میرے پاس آکر اکثر باتیں عقل کے خلاف بیان کیں اور دعوےٰ کیا کہ ہم یہ سب دکھاویں گے پس میں نے ایکروز دربار کا مقرر کیا اور سب امرا اراکین سلطنت کو حکم دیا کہ فلانے روز علے الصباح دربار میں حاضر ہو تا تم کو کچھ نادر و عجیب تماشے دکھلائے جائیں گے۔ چنانچہ سب روز معین پر آئے اب اُن بازیگروں نے تماشے دکھلانے شروع کیے۔

پہلا تماشا۔ پادشاہ مذکور نے لکھا ہے کہ اُن میں سے ایک شخص نے میرے پاس آکر یہ بیان کیا کہ ہمارے پاس سب قسم کے تخم موجود ہیں جو درخت مطلوب ہو ہم اُسکا تخم بو کر حضور کو ابھی پھل کھلاویں میں نے یہ سنکر چپ و راست دیکھا تو دس امیروں نے میرا اشارہ سمجھکر دس قسم کے درختوں کی فرمایش کی انھوں نے فی الفور ہر ایک کی خواہش کے موافق دس قسم کے تخم بوئے اور کچھ اسم پڑھتے ہوئے ان کے گرد پھرنا شروع کیا اُس کی تاثیر سے درخت پھوٹنے لگے اول درخت توت جسکی خانجہاں نے فرمایش کی تھی پیدا ہوا دوسرا آنبہ تیسرے سیب چوتھے جوز پانچویں نارجیل غرض اسی طرح پانچ اور بھی درخت تھے کہ ان کے پھل کے سوا کسی نے آجتک درخت

نہیں دیکھا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ یہ سب درخت آہستہ آہستہ زمین سے بلند ہونے شروع ہوئے اور طرفتہ العین میں دس گز کے قریب بڑھ گئے اور دفعتہً سب میں پھول آئے جس میں سے سیب کے درخت میں تو اس قدر پھول آئے تھے کہ اسکے سارے پتے چھپ گئے تھے۔ جب وہ پھول جھڑے تو میں نے چنو اکر منگائے اور سونگھے تو واقعی وہ سیب ہی کے پھول تھے۔ پھر پھل آنے لگے میں نے بچشم خود دیکھا کہ آم کے درخت میں کیریاں آئیں اور وہ رفتہ رفتہ کمال خوشرنگ اور خوش وضع آم ہو گئے اور درخت جوز کی خوشبو سے یہ حال ہوا کہ تمام دربار معطر ہو گیا علیٰ ہذا القیاس ہر ایک درخت میں ایک ایک قسم کا پھل لگا چنانچہ وہ چند آم اور سیب میرے پاس بھی توڑ کر لائے جب اُس آم کو تراشا تو نہایت خوش ذائقہ و بے ریشہ نکلا جس نے اس آم کو چکھا یہی کہا کہ ہم نے آجتک اس ذائقہ کا آم نہیں کھایا تھا اور سیب میں بھی ایسی ہی خوبیاں تھیں تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ اُن درختوں پر بہت اچھے اچھے خوشرنگ جانور چہچہا رہے ہیں اور طرح طرح کی زمزمہ پردازی و نغمہ سنجی میں مصروف ہیں یہانتک خوش آوازی سے بولے کہ کسی جانور سے تمثیل نہیں دیسکتا ہوں تمام حاضران مجلس اُن کے زمزموں پر محو ہو گئے تھے۔ پھر ایک ساعت کے بعد اُن میں خزاں آئی سب پتے زرد ہو کر زمین پر گر پڑے اور شاخیں خشک ہو گئیں **شعر**

زندگی کو ہے ثبات نہ ہمکو ہے اعتبار + کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

پھر وہ درخت دھنسنے شروع ہوئے اور تھوڑی دیر میں زمین کے اندر سما گئے میں اس بات سے بہت متعجب و حیران ہوا۔

دوسرا تماشا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بڑی دیگ منگا کر نصف کے قریب پانی سے بھر دی اور بیس من چاول اس کے اندر ڈالدیئے اور کھانا پکانے کی تیاری کی باوجودیکہ اُس دیگ کے نیچے آگ کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر سب حاضران محفل نے

دیکھا کہ وہ خود بخود جوش میں آئی اور چاول اس طرح پکنے لگے کہ گویا ان کے تلے سیکڑوں من لکڑیاں جل رہی ہیں۔ تھوڑی سی دیر کے بعد اُس دیگ کو کھولکر سو برتنوں میں کھانا نکالا اور دیکھا تو نہایت خوشبودار اور گداز تھا۔ مگر طرفہ یہ بات ہے کہ ہر ایک طباق میں اُسی دیگ کرامت میں سے ایک ایک کباب بھی نکالکر رکھدیا تھا۔ غرض جس نے اس طعام کو چکھا تمام عمر مزا لیتا رہا۔

تیسرا تماشا۔ بعدازاں ایک فوارہ اپنے پاس سے نکالکر زمین پر رکھا اور تین دفعہ اس کے گرد طواف کیا اور وہ فوراً دفعتہً جوش میں آیا اور اس میں سے تقریباً دس گز پانی بلند ہوا اور ہر لحظہ میں نئے رنگ کا نکلنے لگا یعنی کبھی تو سرخ جیسے شہاب اور کبھی زرد جیسے کیسر کا پھول نکلتا تھا اور کبھی سبز نظر آتا تھا جیسے طوطے کے پر۔ غرض تھوڑی دیر تک یہی سیر اور گل افشانی رہی مگر تعجب ہے کہ اُس کا پانی مینہ کی طرح برستا تھا اور زمین نہیں تر ہوتی تھی۔ جب فوارہ کو اٹھاکر دوبارہ زمین پر نصب کیا۔ تو اب کی دفعہ آتش کی گل افشانی ہونے لگی اور بڑی دیر تک انار سے چھوٹا کئے ارسطو کی آتش بازی و گلکاری کا مزا آگیا۔ جب زمین سے اٹھا لیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

چوتھا تماشہ۔ پھر انہوں نے کچھ ہوائیاں تیار کیں اور دو تیر کی بلندی پر رکھکر چلے آئے اور مجھ سے عرض کیا کہ ارشاد ہو تو اسی جگہ سے ایک ایک ہوائی کو آگ دیں اور اگر زیادہ کا حکم ہو تو اسکو بجا لائیں غرض میں جتنی ہوائیوں کا حکم کرتا تھا وہ یہاں سے آگ دکھاتا تھا اور وہاں روشن ہوکر چھوٹ جاتی تھیں۔

پانچواں تماشا۔ اس کے بعد وہ ایک آدمی کو میرے پاس لائے اور تلوار سے اُسکے تمام عضو کاٹ ڈالے اور پھر زمین پر لٹاکر اس کی گردن جدا کردی جس وقت اُس بیچارے کو ذبح کیا تو لہو کے فوارے چھوٹنے لگے اور تمام صحن سرخ ہوگیا اس کے بعد اُسکے

سب اعضا جمع کرکے ایک چادر ڈال دیا۔ پھر اس چادر کے نیچے ایک آدمی گیا اور تھوڑے عرصے میں چلا آیا اور میرے سامنے آکر اس شخص مذبوح کو آواز دی تو وہ زندوں کی طرح اٹھ بیٹھا اور جیسا اسکا پہلے جسم تھا ویسا ہی ہوگیا۔

چھٹا تماشا۔ اس کے بعد ایک شخص میرے پاس آکر کھڑا ہوا اور پھر ایک اور آیا اور اس نے جو آکر جست کی تو اپنے سر کے بل اس کے سر پر کھڑا ہوگیا اور پاؤں اونچے کر دیئے۔ پھر ایک اور نے اچک کر اس دوسرے شخص کے پاؤں پر اپنا سر جمایا اور پھر تیسرے آدمی نے جست کرکے اس کے پاؤں پر اپنا سر قایم کیا اور لبعدہٗ کمر اور کندھے پکڑکر چڑھنے شروع کئے اور اسی طرح ساٹھ آدمی ایک کے اوپر ایک سوار ہوکر منارے کی طرح کھڑے ہوگئے اور اس لاٹھ کا طول بھی سو اسو گز کا ہوگیا اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے سب سے نیچے کے آدمی کے دونوں پاؤں پکڑکر زمین سے اٹھا لیا اور اپنے کندھے پر رکھکر تمام صحن میں گردش کرتا ہوا پھرا یہ حال حیرت انگیز دیکھ کر حاضرین متحیر تھے کہ الہی یہ کیا طاقت اور زور ہے کہ عقل بشری مطلق کام نہیں کرتی ہے۔

ساتواں تماشا۔ بعد ازاں چالیس آدمی چڑھی کی طرح ایک پر ایک سوار ہوئے اور جس وقت سب چڑھ چکے تو سب کے اوپر کے آدمی نے دفعتہً زور کرکے سب کو اپنی پیٹھ پر الٹ لیا اور ان کو اٹھاکر تمام مکان میں اس طرح پھرا جیسے کوئی بغیر بوجھ کے ٹہلتا ہے۔

آٹھواں تماشا۔ اس کے بعد کپڑے کی تھیلی لائے اور اسکو دونوں ہاتھوں میں اسطرح ملا کہ اگر ایک دانہ بھی اسمیں ہو تو معلوم ہو جائے۔ پھر اس کے اندر ہاتھ ڈالکر دو بڑے مرغ بہت خوشرنگ نکالے اور ان کو زمین پر چھوڑ دیا وہ دونوں آپسمیں لڑنے لگے اور جس وقت پر و بال کھولتے تھے تو ان کے پروں میں سے آگ کے شعلے نکلتے

تھے تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اہل دربار کی طرف سے ایک پردہ روک لیا اور پھر جو اس پردے کو اٹھایا تو دو چکوریں نظر آئیں اور وہ اس طرح بے غل و غش بولا کیں۔ کہ جس طرح دامن کوہ میں بے دہشت چہچہایا کرتی ہیں اس کے بعد پھر جو پردہ روک کر اٹھایا تو ان کی جگہ دو سانپ جنکا قرمزی رنگ کا پیٹ اور سبز پھن تھے نمودار ہوئے اور آپس میں لڑتے لڑتے سست ہوکر غائب ہوگئے۔

نواں تماشا۔ اس تماشے کے بعد انہوں نے زمین میں ایک بڑا حوض کھودا اور التماس کیا کہ اس کو سقوں سے بھروا دیجئے۔ جب وہ بھر گیا تو اس کے روبرو پردہ روک کر اندر گئے اور وہاں سے آکر اُس سے پردے کو ہٹا دیا دیکھا تو سارا پانی برف کے مانند ایسا جم گیا تھا کہ ایک ہاتھی کو اُس کے اوپر پھرایا تو وہ بآسایش سارے حوض پر پھر اکیا یہ حال دیکھ کر سبکو یقین ہوا کہ یہ برف نہیں ہے بلکہ سنگ مرمر کا فرش کر دیا ہے پھر انہوں نے دوبارہ پردہ ڈالکر جو اٹھایا تو نہ پانی تھا نہ برف تھی جیسا حوض کھودا تھا ویسا ہی نظر آیا۔

دسواں تماشا۔ اس کے بعد دو خیمے منگوا کر تیر بھر کے فاصلے پر دونوں مقابل کھڑے کئے اور عرض کی کہ ان کے پردے اٹھوا کر ملاحظ فرمایئے کہ اِن میں کچھ ہے یا بالکل خالی ہیں۔ غرض سب نے دیکھا تو اُن میں کچھ بھی نہ تھا۔ پھر دو آدمی لنگوٹیاں باندھکر ایک ایک خیمے میں چلے گئے اور پردے چھوڑکر آواز دی کہ چرند اور پرند کی قسم میں سے جو جانور فرمایئے ہم حاضر کریں اور ان کو لڑا کر سب صاحبوں کو سیر دکھائیں یہ سنکر خان جہاں نے تبسم کیا اور کہا بھلا شترمرغ کا جوڑا تو نکالو اور اس کو لڑا کر تماشا دکھاؤ۔ اس بات کے کہتے ہی ایک شترمرغ اس خیمے سے اور ایک اُس میں سے باہر نکلا اور دونوں باہم لڑنے لگے چنانچہ لڑتے لڑتے ان کے سر لہولہان ہوگئے اور تمام جسم زخمی ہوگیا تھا مگر ایک کو ایک نہ چھوڑتا تھا کہ اتنے میں وہ دونوں آدمی خیمے کے اندر سے نکلے

اور زبردستی چھڑا کرے گئے پھر مرزا خرم عرف شاہجہان نے دو نیل گایوں کی فرمایش کی۔
انھوں نے دو نیل گائیں بھی اسیطرح ایک ایک خیمہ کے اندر سے نکالیں اور وہ باہر آتے
ہی اس طرح سر سے سر ملا کر لڑنے لگیں کہ کبھی یہ اس کو ریل کر دو تک لیجاتی تھی اور کبھی وہ
اس کو ہٹا دیتی تھی دو گھڑی تک اسی طرح لڑائی ہوا کی آخر کار وہ اُنکو بھی چھڑا کرے گئے۔
القصہ جس قسم کا جانور کہتے تھے اُسی قسم کا ان خیموں سے نکلتا تھا ہر چند عقلا اور فضلا نے غور
کی مگر کسیکی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کیا اسرار تھا۔

گیارھواں تماشا۔ اس کے بعد ایک کمان اور پچاس تیر منگائے اور ان میں سے
ایک شخص نے ایک تیر چلے میں رکھکر آسمان کیطرف چلایا تو وہ اپنی حد پر پہنچکر وہیں قایم
ہوگیا پھر دوسرا تیر جوڑکر اس کی طرف پھینکا تو اس تیر کا پیکان اول تیر کے سوفار میں چسپاں
ہوکر یہ بھی پہلے کیطرح جم رہا پھر تیسرا تیر جو لگایا تو اُسکا پیکان بھی دوسرے تیر کے سوفار
میں پیوستہ ہوکر وہیں تھم رہا قصہ مختصر پچاسوں تیر اسطرح اوپر تلے جمکر ہوا میں معلق ہوگئے
اور یہاں سے وہاں تک ایک لکڑی سے معلوم ہونے لگے دو گھڑی تک یہی کیفیت رہی
پھر اسکے بعد ایک اور تیر جو کمان میں جوڑکر مارا تو وہ ہر ایک تیر کے سوفار کو ان تیروں کے پیکانوں
سے جُدا کرتا ہوا چلا گیا اور وہ سب الگ الگ ہوکر زمین پر گر پڑے۔

بارھواں تماشا۔ اس کے بعد ایک طشت منگا کر اُسمیں پانی بھر اور ایک سرخ پھول
ہاتھ میں لیکر عرض کی کہ حضور جس رنگ کا فرمائیں یہ پھول ہوجائے یہ کہکر اس پھول کو پانی
میں غوطہ دیکر جو نکالا تو وہ زرد ہوگیا اور پھر جو اُسے ڈبوکر باہر نکالا تو آبی ہوگیا۔ اور پھر جو ایک
اور غوطہ دیا تو وہ نارنجی ہوگیا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سو مرتبہ اُس کو غوطہ دیکر نکالا تو سو ہی دفعہ نیا
رنگ ہوگیا۔ پھر ایک سفید سوت کا موتیہ منگایا اور اس کو بھی اسی طرح غوطہ دیکر کبھی سبز اور
کبھی سرخ اور کبھی زرد نکالا۔

تیرھواں تماشا۔ اس کے بعد ایک مربع پنجرہ منگا کر اُن میں سے ایک آدمی نے پہنے

ہاتھ میں اٹھا کر بلند کر دیا جب اُسکی طرف نگاہ کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اُسمیں ایک بلبل ہزار داستان کا جوڑا بیٹھا ہوا خوش الحانی سے چہک رہا ہے اور جب دوسرے رخ سے دکھایا تو سبز طوطے کا جوڑا زمزمہ پردازی کرتا ہوا دکھائی دیا اور جب اُس کا تیسرا رخ پلٹا تو ایک سرخ رنگ کا جانور نظر آیا اور وہ اس مزے سے چہچہا رہا تھا کہ آج تک کسی جانور سے ایسی آواز نہیں سنی تھی۔

چودھواں تماشا۔ اس کے بعد ایک پانی کا بھرا ہوا آفتابہ مانگا اور جب آگیا تو اس کی ٹونٹی سے پانی بہانا شروع کیا کمال تو یہ ہے کہ جس قدر اُس میں سے پانی بہاتے تھے اُسی قدر لبریز نظر آتا تھا غرض کئی مٹکے بہ گیا اور وہ لوٹا خالی نہ ہوا۔

پندرھواں تماشا۔ اِس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے میرے روبرو آکر اپنا منہ کھولا تو اس کے دہن میں سے ایک کالا سانپ نکلا اور جب یہ سانپ باہر آگیا تو دوسرے سانپ نے سر نکالا اور وہ بھی زمین پر گر پڑا غرض اسیطرح چار چار پانچ پانچ گز کے سانپ نکلے اور بل کھا کر آپسمیں لڑنے لگے۔

سولھواں تماشا۔ اس کے بعد دس خالی مرتبان منگائے اور سب کے روبرو انکے اوپر سر پوش ڈھانک کر کپڑے سے لپیٹ دیا گھڑی بھر کے بعد جو ہر ایک کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا تو ایک مرتبان میں شہد خالص دوسرے میں مربا تیسرے میں کھانڈ اور چوتھے میں ساق عروساں جو ولایت کی ایک مشہور شیرینی ہے نکالی علیٰ ہذا القیاس سب میں نئی نئی چیزیں بھری ہوئی تھیں اور جب ان کو چکھا تو ہر ایک چیز نہایت خوش ذائقہ تھی۔

سترھواں تماشا۔ اس کے بعد کتاب گلستان کتب خانے میں سے منگائی اور اُسے اسی کے جزدان میں رکھدیا پھر دم بھر کے بعد وہ نکالکر میرے ہاتھ میں دی تو وہ دیوان حافظ ہو گیا اور پھر جو اسی طرح کیا تو اہلی شیرازی کا دیوان ہو گیا غرض جتنی دفعہ اسکو گردان کر نکالا

اتنی دفعہ نئی کتاب بنگئی۔

اٹھارھواں تماشائے عمدہ۔ اس کے بعد اُن میں سے ایک شخص نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھا اور مجھ سے کہا کہ جہاں پناہ اس وقت راجہ اندر میں اور دیووں میں خوب لڑائی ہورہی ہے میں راجہ کی مدد کرنے جاتا ہوں اور اپنی اس خوبصورت بیوی کو حضور کے سپرد کرتا ہوں اگر زندہ رہا تو آکر لیلوں گا اور جو مارا گیا تو اس نیکبخت کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے اور جہاں دل میں آئے وہاں رہے یہ کہکر اپنی جیب میں سے ایک رسی نکالی اور اسکو آسمان کی طرف اُچھالا تو وہ سیدھی ہوا میں قایم ہوگئی۔ اور وہ شخص اسکو پکڑکر اوپر چڑھ گیا اور جب نگاہوں سے غائب ہوا تو وہ رسی لہو سے سرخ ہوگئی اور اس میں سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں پھر دم بھر کے بعد اُس کا ایک پاؤں تازہ کٹا ہوا زمین پر گرا اور اس کے بعد دوسرا پانوں بھی نیچے آن پڑا پھر دونوں ہاتھ خون آلودہ فرش پر گرے بعد ازاں سر بھی اس ہیئت سے نیچے آیا کہ ہنوز گلے کی رگوں سے خون جاری تھا اتنے میں دھڑ بھی آن پڑا اُسکی زوجہ یہ حادثہ دیکھکر گریہ وزاری کرنے لگی اور مجھ سے عرض کی کہ اے بادشاہ میں تو اب ستی ہوں گی مجھ کو ایسا خاوند ملنا مشکل ہے ہر چند دنیا کا لالچ دیا مگر اس نے ایک بات نہ مانی اور لکڑیاں منگاکر اُن کی چتا بنوائی اور اپنے شوہر کے اعضا گود میں لیکر اس کے اندر جا بیٹھی اور آگ لگوادی غرض دو تین گھڑی بعد جلکر خاکستر ہوگئی۔ اتنے میں اُسکا شوہر بھی جسکے عضو گرے تھے دفعتہً آن موجود ہوا اور مجھ کو تسلیم کرکے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ حضور کے اقبال سے اندر کی فتح ہوئی اور دیو مارے گئے اب حضور میری زوجہ کو عنایت فرمائیں اور امانت میں خیانت نہ کریں میں اُسکا منہ دیکھنے لگا اور یہ کہا کہ اے شخص ابھی کا ذکر ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں آسمان سے کٹکر گرے تھے تیری زوجہ اُن سب کو لیکر ستی ہوگئی بلکہ دیکھ لے یہ اُسی کی خاک کا ڈھیر پڑا ہے یہ سنکر فریاد و فغاں کرنے لگا اور

یہ کہا کہ میری جورو کو جمیلہ و شکیلہ دیکھ کر لونڈی بنانے کے واسطے چھپا رکھا ہے۔ مگر
ہائے تعجب ہے کہ آپ سا عادل اور منصف بادشاہ یہ خیال کرے اور ہم لوگوں کو مسافر
جانکر ستائے ہر چند سمجھایا کہ وہ سب کے سامنے جلکر مرگئی ہے تیرے ساتھ کے آدمی
گواہ ہیں۔ مگر اس بندہ خدا کو یقین نہ آیا اور کہا کہ اگر حضور اجازت دیں تو جہاں آپنے
اسکو چھپایا ہے وہاں سے پکاروں میں نے ہنسکر کہا کہ تو اُس کو بلالے تو جانوں۔
اُسی وقت وہ میرے تخت کے پاس آیا اور اس عورت کا نام لیکر پکارا تو اس عورت نے
فوراً میرے تخت کے نیچے سے نکلکر مجھے سلام کیا میں حیران رہ گیا اور شرمندگی کے
مارے کچھ نہ کہہ سکا۔

اُنیسواں تماشا۔ اس کے بعد ایک آدمی نے اندھیری رات میں اپنے کپڑے
اُتار کر خوب گردش کی اور پھر ایک چادر منگا کر اُس کے اندر سے ایک ایسا جلبی شیشہ
نکالا کہ وہ آفتاب کو بھی مات کرتا تھا اور کسی کو اُسکی شعاع سے آنکھ ملانے کی تاب نہ
تھی بجائے رات کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے کئی روز بعد دس دس منزل سے یہی
خبر آئی کہ فلانی تاریخ کی رات کو آسمان سے زمین تک ایسی روشنی ہوگئی تھی کہ کبھی ذکو
بھی اتنا نور نہیں دیکھا تھا واللہ اعلم دس بیس آفتاب اکٹھے ہو گئے تھے یا نور کا پل
ٹوٹ گیا تھا اور سا اکثر علاقوں سے یہی خبر آئی اور جب اُس تاریخ کو مطابق کیا تو اُسی تماشے
کی رات کا ذکر نکلا ہر چند میں نے اختصار کم کیا ہے اور بہت سے تماشے لکھدیئے
ہیں مگر پھر بھی ان بازیگروں کے اکثر تماشے رہگئے دیکھنے حضرت اوپر کے اکثر تماشوں
سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ مار ڈالنے اور جلانے پر قادر تھے دوسرے جس قسم کی چیز
چاہتے تھے پیدا بھی کر دیتے تھے ان باتوں سے خالق و قادر ہونا ثابت ہے اب
خدائی کے دعوے میں اور کونسی بات باقی رہ گئی ہے سچ تو یوں ہے کہ تدبیر کے آگے
خدائی مشکل نہیں ہے اور تقدیر کے آگے سب کچھ دشوار ہے۔ مقدر صاحب اسکے

جواب میں قدر عافیت معلوم ہوگی دیکھو اب بھی ہمارا کہا مانو گے اور ہمکو بڑا جانو گے تو عزت پاؤ گے ورنہ ذلت اٹھاؤ گے اپنے کئے سے شرمندہ اور سرافگندہ ہو گے **شعر**

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بس اب دیر نہ کیجئے جلدی جواب دیجئے۔

جواب ۱۲۔ حضرت اگر میں ہاروں گا تو آپ کو کس بات کا غم ہوگا مجھ کو الم ہوگا۔ میری عزت جائے گی آپکی تو مراد بر آئے گی میں اسمیں بھی خوش ہونگا مبارکباد دونگا **شعر**

ترک مطلب نے کیا ہے بے نیاز ۔۔۔ ہاتھ کھینچا پاؤں پھیلاتے ہیں ہم

اب حضور اس کے جواب کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور دل میں انصاف کریں آپکے سوال سے ثابت ہے کہ ان بازیگروں نے اس قدر محنت کرکے اپنی تدبیر سے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ اس کے ذریعے سے آدمی کو فریفتہ کر لیتے تھے چنانچہ جہانگیر سے بھی دولاکھ روپے مار کر لے گئے ہیں یہ کہتا ہوں کہ تقدیر وہ شے ہے جو بے منت و سماجت بادشاہی دلوا دیتی ہے اور جس بادشاہ کو چاہتی ہے غلاموں سے بدتر کر دیتی ہے دیکھئے نور جہاں کیسے غریب شخص کے ہاں پیدا ہوئی تھی کہ اس نے افلاس کے مارے جنگل میں چھوڑ دیا تھا مگر ماں کی محبت نے پھر اسکو اٹھوا منگایا اور جب اس لڑکی کی تقدیر نے پیش ہونا چاہا تو بادشاہی کرنے لگی جہانگیر برائے نام بادشاہ رہگیا تھا تمام فرمانوں پر اسی کا حکم لکھا جاتا تھا۔ **شعر**

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا ۔۔۔ آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

اس کے علاوہ ایک اور مثال دیتا ہوں شاہ جہاں کیسا مدبر اور عقلمند تھا کہ کسی طرح سے عالمگیر کے بس میں نہیں آتا تھا ہر چند یہ ایلچی پر ایلچی بھیجکر اپنی سعادتمندی ظاہر کرتا تھا اور بار بار لکھتا تھا۔ **شعر**

ہوئی کس جرم سے ہمپر یہ عنایت موقوف ۔۔۔ کیا خطا دیکھی جو کی خط و کتابت موقوف

مگر وہ اس کے فریب سے بچ جاتا تھا اور الٹا اسی کو گرفتار کرنے کی تجویز میں تھا اور جس وقت تقدیر پھری تو عالمگیر کے بیٹے محمد مرزا نے ادنے سا فریب دیکر پکڑ لیا اور پادشاہ منہ دیکھتا رہ گیا۔ **شعر**

ہمنشیں ہونا غم الفت میں جو تھا سو ہوا شکوہ بیجا ہے مری قسمت میں جو تھا سو ہوا

آخر کار اپنی تدبیر سے ہاتھ دھو بیٹھا اور سب معاملہ تقدیر پر چھوڑ دیا۔ **شعر**

اسی پر رہئے راضی جسطرح مرضئی مولا ہے کہ جو مرضئی مولا ہے وہی سب سے اولی ہے

بھائی صاحب **شعر**

مرد را طالع بدولت میرساند نے ہنر گنج را خسرو برد رنج زرا فرہاد برد

اب ان تماشوں کا بھی جن پر آپکو بڑا ناز ہے جواب سن لیجئے اور یہ نہ سمجھئے کہ مقدر بات بات میں نہیں بات کرتا ہے مجھ کو کسی طرح کی پروا نہیں ہے میں ہر حال میں خوش ہوں۔ **شعر**

ہم وہ آوارہ و سرگشتہ ظفر ہیں کہ ہمیں نہ تو ویرانہ کی پروا ہے نہ بستی کی ہوس

کل امور دو قسم پر منقسم ہیں اور ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں کوئی کام کیوں نہ ہو ان سے باہر نہیں ہوگا یا وہ ممکنات میں سے ہوگا اور یا ممتنعات میں سے اب ممکنات کی دو قسمیں ہیں ایک ممکن العوام اور دوم ممکن الخواص۔ ممکن العوام اُس فعل سے مراد ہے کہ اسپر تمام انسان وجنات وغیرہ قادر ہوں جیسے حصول علم و سیر ممالک وغیرہ کہ ہر ایک ان چیزوں کے حاصل کرنے کا مجاز ہے۔

دوسرے ممکن الخواص کہ اس کام کو خاص خاص اشخاص کر سکتے ہیں اور ہر ایک اُس پر قابض نہیں ہوتا جیسے نبیوں کے معجزے اور اُتاروں کے کرشمے وغیرہ اسیطرح ممتنعات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک ممتنع العوام کہ مخلوقات میں سے کوئی اس پر متصرف نہ ہو سکے مثلاً کوئی دانا یا عاقل چاہے کہ میں خدا کی ماہیت کماحقہ دریافت کر لوں تو یہ ہرگز ممکن

نہیں ہے کس لئے کہ ہزاروں خاک چھان کر مر گئے اور کچھ نہ ہو سکا اور اگر یہ بات دشوار نہ ہوتی تو ہر ایک شخص بجائے خود مختار ہوتا اور اپنی موت کا آپ علاج کر لیا کرتا اور کبھی نہ مرتا۔ **شعر**

موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انسان ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

دوسرے ممتنع الخواص کہ خاص خاص اشخاص بھی اس پر قادر نہ ہوں مثلاً کوئی حاکم یا عامل و کامل چاہے کہ میں خدا بن بیٹھوں یا اس سے بھی اچھی یا ایسی مخلوقات پیدا کروں تو یہ بھی نہایت محال ہے اور اگر کسی کوتاہ اندیش نے خدائی کا دعوےٰ بھی کیا ہے تو اس کا حال کتب تواریخ میں خوب لکھا ہے یعنی ہر جگہ ایک سے دوسرا قوی تر موجود ہو گیا ہے اور اس نے اس کا دعوےٰ توڑ دیا ہے جیسے فرعون کو موسےٰ نے ہرایا تھا۔ اور کنس کو کنہیا نے علیٰ ہذا القیاس پہلا دو نمرود وغیرہ کا قصہ بھی اسی طرح ہوا ہے یہ سب تماشے بھی ممکنات میں داخل ہیں ہر ایک شخص بشرطیکہ صنعت اسپر قادر ہو سکتا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنے آدمی یعنی کوئی بنگالی اور کوئی فرنگستانی کیونکر جان جاتے یہ باتیں علم سیمیا سے تعلق رکھتی ہیں اگلے زمانے کے آدمیوں نے ایسے ایسے طلسم بنائے تھے کہ سنکر آدمی کو حیرت ہوتی ہے اور آجتک کسی کی سمجھ میں نہیں آئے اور ان کا ذکر سننے سے تعجب آتا ہے شاید آپ میری بات کا یقین نہ لائیں اس واسطے چند مثالیں اور علم سیمیا کی تحقیق لکھ دیتا ہوں کیونکہ جھوٹے کو گھر تک پہنچا دینا چاہئے۔

سیمیا اس علم کا نام ہے کہ روح کو اس کے وسیلے سے اپنے بدن میں سے دوسرے کے بدن میں یا قالب میں پہنچا سکتے ہیں اور جس شکل کی چاہیں صورت بنا کر دکھا سکتے ہیں اور موہوم چیزوں کے دکھانے پر بھی قادر ہوتے ہیں جیسے فی زمانہ فرامش گھر میں حسب مراد جو چاہتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے۔ حکمائے اشراقین نے اس علم کو ایجاد کیا تھا اور ایسے قاعدے نکالے تھے کہ اس کے ذریعے سے آدمی کو سینکڑوں کوس

پر سبق پڑھایا کرتے تھے اور طرفتہ العین میں لاکھوں کوس چلے جاتے تھے۔ یہ علم تصفیہ دل اور تزکیہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر انضباط حواس شرط ہے اور جس شخص کو اس علم کا یقین نہ آتا ہو وہ اب بھی طلسمات فرنگ اسکے قواعد کے موافق عمل کرکے کچھ سی قابل یقین دیکھ سکتا ہے۔

ایک شخص فاضل نے لکھا ہے کہ میں ایک روز شاہ سلیم عرف جہانگیر کے دربار میں حاضر تھا اور اکثر امرائے نامدار یمین و یسار کھڑے تھے کہ ایک شخص مٹکا سر پر رکھے ہوئے آیا اور کہا کہ میں کچھ سیر دکھلانے آیا ہوں اجازت ہو تو وہ تماشہ دکھاؤں سب نے متفق ہو کر کہا کہ اچھا آپ اپنا کرتب دکھلایئے ہم دیکھتے ہیں اس نے عرض کی جتنے آدمی دربار میں موجود ہیں وہ سب اپنے اپنے لباس میں سے کچھ کپڑا عنایت کریں تو اس مٹکے کے اندر رکھ کر تماشا دکھاؤں حاصل کلام کسی نے دوشالا کسی نے چوغہ اور کسی نے پٹکا دیا اور وہ ہر ایک سے لیکر اس مٹکے میں داخل کرتا گیا باوجودیکہ اس میں اتنی گنجایش نہ تھی۔ مگر اس اللہ کے شیر نے تمام اسباب بھر دیا اور جب سب امرا پشمینہ وغیرہ دے چکے تو بآواز بلند کہا کہ میں نے سب کا اسباب اس مٹکے میں تمام دربار کے روبرو رکھدیا ہے اب جن صاحب کی جو جو چیز ہے پہچانکر نکال لیں یہ سنکر ایک امیر اٹھا اور اس نے ہاتھ ڈالکر دیکھا تو کچھ نہ پایا۔ اسی طرح تمام امیر اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔ مگر کسی نے بھی کوئی چیز نہ پائی آخر وہ شخص بولا کہ یارو میں نے سب کے روبرو اس برتن میں کپڑے وغیرہ رکھے تھے۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ کسیکو نہیں ملتے۔ اگر سب صاحبوں کی اجازت ہو تو میں خود ڈھونڈ لاؤں سب نے کہا کہ اس میں تو اس لباس کا نام ونشان بھی نہیں ہے تو کہاں سے نکال لائیگا۔ غرض وہ بازیگر اٹھا پہلے تو اور لوگوں کی طرح ڈھونڈتا رہا اور پھر خود اس مٹکے میں اتر کر غائب ہو گیا۔ جب اس امر کو بہت عرصہ گذرا تو سب نے اس مٹکے کو جاکر دیکھا۔ مگر بازیگر صاحب کا پتا بھی نہ

پایا کہ زمین کھا گئی یا آسمان کھا گیا۔ آخر کار بعد انتظار اُس سبو کو توڑ ڈالا اور بتین چار ہزار کے مال پر صبر کیا۔

امثال طلسمات

تواریخ میں لکھا ہے کہ مداین کے ضلع میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر نوشیرواں عادل کا مزار بنا ہوا ہے اور وہاں حکیموں نے پادشاہ مذکور کے حکم سے کئی طلسم بنائے ہیں۔

پہلا یہ طلسم ہے کہ اُس مدفن کے گرد اگرد چار مسلح سوار اس طریق سے کھڑے کئے ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں۔ جس وقت کوئی آدمی ان کے مقابل آتا ہے تو ایکبارگی وہ چاروں سوار حملہ کرتے ہیں اگر وہ ہٹ گیا تو بچ گیا ورنہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں۔

دوسرا طلسم یہ ہے کہ اس گور کے تہخانے پر چار برہنہ تلواریں آویزاں ہیں۔ اور ان کو دن رات چاک کے مانند گردش رہتی ہے اور اس زور سے پھرا کرتی ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ان کے نزدیک آجائے تو فوراً گردن اڑ جائے اس باعث سے کسی کی وہاں رسائی نہیں ہے۔ مگر کتب معتبرہ میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون رشید نے اپنے ایک مرید کی ہدایت سے جو وہاں کا قدیمی مجاور تھا اُس دخمے کی سیر کی ہے۔ کیونکہ اس آدمی کو اُس طلسم کا دفعیہ یاد تھا اور اس کے بزرگوں سے یہ علم چلا آتا تھا خلاصہ یہ ہے کہ جب مامون رشید اُس دخمہ بان کی اعانت سے اُس تہخانے کے اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ نوشیرواں عادل ایک تخت مرصع پر زندوں کی مانند بیٹھا ہے اور تمام اعضا صحیح و سالم ہیں۔ کیونکہ حکما نے بہت سے روغن بنا کر اُس کے جسم پر ملے تھے۔ مگر جسم کا لباس جا بجا سے بوسیدہ ہو کر پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ مامون رشید کو اس حال سے عبرت ہوئی اور اسی وقت ایک نئی بہت عمدہ معطر پوشاک منگا کر از سر نو

اپنے ہاتھ سے پہنائی کہ ناگاہ نوشیرواں کے زانو کے تلے ایک لوح طلائی نظر آئی۔ اور جب اسکو اٹھاکر دیکھا تو یہ لکھا ہوا تھا کہ خلفائے عباسیہ میں سے ایک حاکم وقت میری زیارت کو آئیگا اور میرے کپڑے بدلوا کر انواع عطریات سے معطر کرے گا۔ مگر مجھے اس بات کا افسوس آتا ہے کہ میرے قالب میں جان نہ ہوگی جو میں حسب دلخواہ اسکی ضیافت کروں۔ مگر خیر اب بھی میں نے اس تہخانے کے بائیں پہلو پر کئی خزانے صرف اس کے واسطے امانۃً رکھوا دیئے ہیں وہ ان خزانوں کو لیکر اپنے تصرف میں لائے اور مجھ کو معذور رکھے میں زندوں میں نہیں ہوں جو مہمان نوازی کی شرط بجا لاؤں۔ غرض ماموں رشید نے اس لوح طلائی کو پڑھکر بہت تعجب کیا اور جب ان مقاموں کو کھودوا تو حسب تحریر سب کچھ نکلا لکھا ہے کہ بنی عباس نے خاندان میں جب ہی یہ دولت بڑھی ہے میاں صاحب جب ایسے ایسے پیشین گو اشخاص نے خدائی کا دعوےٰ نہ کیا تو اور کسکا حوصلہ ہے جو زبان سے ایسی بات نکالے **شعر**

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تو انگر ہو گئے ∴ خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

تفسیر بحر المواج میں لکھا ہے کہ حکیموں نے نمرود کی تختگاہ میں ایسے سات طلسم بنائے تھے کہ وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔

پہلا طلسم تھا کہ شہر کے باہر ایک حوض بناکر اُس کے کنارے پر سنگ مرمر کی بط کھڑی کر دی تھی اُس کا یہ حال تھا کہ جب شہر میں کوئی بیگانہ یعنی غیر ملک کا آدمی جانے لگتا تو وہ اس قدر شور و غل مچاتی کہ تمام شہر والوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ آج شہر میں کوئی نیا شخص آتا ہے۔

دوسرا ایک ایسا طلسم کا ڈھول بنایا تھا کہ جس کی کوئی چیز چوری جاتی تو وہ اپنے ان آدمیوں کو جن پر چوری کا گمان ہوتا تھا۔ اس ڈھول کے پاس لاکر کھڑا کر دیتا اور اس سے کہتا کہ تم اس پر ہاتھ مارو اور جب چور اس پر ہاتھ لگاتا تو اسکا نام

اور پتا صاف اس طبل کی آواز سے معلوم ہو جاتا تھا اور اگر وہ سلق نہوتا تو کچھ بھی آواز نہیں نکلتی تھی۔

تیسرا۔ ایک ایسا آئینہ بنایا تھا کہ شخص کا کوئی عزیز یا دوست سفر میں جاتا اور مدت تک اُس کی خبر نہ آتی تو اس کا اس طرح حال معلوم ہو جاتا تھا کہ سال بھر میں اُس آئینہ کے دیکھنے کا ایک دن معین تھا اگر وہ روز معہود پر اُسے کھولکر دیکھتا۔ تو اس غریب الوطن کی کماحقہ کیفیت معلوم ہو جاتی تھی۔

چوتھا نمرود کے جشن کرنیکا ایک حوض تھا اور اس کا یہ خاصہ تھا کہ اگر کئی شخص مشروبات کی قسم میں سے اس میں کئی چیزیں ڈالتے تو وہ سب آپس میں ملکر ایک ہو جاتی تھیں اور جب اُس میں ساغر ڈالکر بھرتے تو ہر چیز خالص اُس میں آجاتی تھی مثلاً چند آدمیوں نے دودھ شربت اور شہد وغیرہ ڈالا اور جب وہ خوب مخلوط ہو گیا تو اپنا اپنا پیالہ بھر لیا اور دیکھا تو جس نے شہد ڈالا تھا اس کے پاس وہی شہد آیا اور جس نے شربت ملایا تھا اُس کے ہاں شربت نکلا۔

پانچواں ایک چشمے کے گرد اگرد جو جو شہر نمرود کے زیر حکم تھے ان کا نقشہ بنا ہوا تھا جس شہر کا حاکم نافرمانی کرتا تھا اُس شہر کے نقشے پر یہ نہر جاری کر دیتا تھا وہ شہر اُسی سال میں غرق ہو جاتا تھا۔

چھٹا نمرود کے دربار میں ایک ایسا درخت بُویا گیا تھا کہ جتنے آدمی چاروں طرف سے آویں اُن سب کو اسکا سایہ پہنچ جائے یعنی اگر دس لاکھ آدمی ہوں تو ان کو بھی اُس ایک درخت کا سایہ کافی ہو۔

ساتواں شہر کے باہر ایک ایسے پتھر کی شکل بنائی تھی کہ وہ درندوں اور گزندوں کو شہر کے اندر نہیں آنے دیتی تھی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب اس طرح کے سامان نمرود کو بہم پہنچے تھے تو عبدیت سے معبودیت کا دعوےٰ کیا تھا۔ جائے عبرت ہے کہ

جس شخص کے پاس ایسے ایسے حکیم اور دانا موجود ہوں وہ ایک مچھر سے برباد ہوجائے
اور کوئی مدد کو نہ آئے۔ **قطعہ**

بلند ہمت اگر ہوں زیر چرخ ضعیف ۔ ہلال عید ہو عالم کا کیونکر روزہ کشا
جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن ۔ توخار وخس نہ کرے شعلے کو کبھو برباد

حضرت تقدیر کے آگے تدبیر پانی بھرتی ہے کیسا ہی افلاطوں کیوں نہ ہو مگر یہاں
سر جھکا کر چلتا ہے۔ **شعر**

دیکھیے گر بچشم ہشیاری ۔ عالم خواب ہے یہ بیداری

کیوں مدبر صاحب ہم نہ کہتے تھے کہ شیخی کی نہ لو ہوش میں آؤ سیدھی سیدھی
گفتگو کرو۔ **شعر**

ٹیڑھے بانکوں کو پسند آتی ہیں ٹیڑھی باتیں ۔ اے ظفر اپنا تو انداز ہے سیدھا سادا

ایسا نہ ہو کہ ڈھول کی آواز خول کی گواہی دے رہا سہا اعتبار جاتا رہے حقیقت کھل
جائے بڑے بول کا سر نیچا ہے اب بھی تدبیر کی پاسداری چھوڑو ہمارے آگے ہاتھ
جوڑو تو کچھ نہیں گیا ہے اور جب بے ذلیل ہوگئے تو بہت ذلیل ہوکے بغلیں جھانکو گے
راستہ تاکو گے آخر کہاں تک بھاگو گے۔ **شعر**

جواب است اینکہ من گفتم نہ جنگ است ۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ است

اے مدبر میں دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوں **شعر**

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں ۔ آوے بھی اگر ہزار جی میں

اعتذار۔ جناب مقدر الدولہ صاحب اب اس تقریر سے معاف فرمائیے اور کچھ عقلی یا علمی گفتگو
کیجئے جو اس سے کوئی بھی عقلمند تجاوز نہ کرسکے اور میرا آپکا فیصلہ ہو جائے۔

جواب۔ حضرت بہت مناسب ہے مگر اس گفتگو میں بندہ سوال کرے گا اسمیں حضور
نے کئے تھے اور نیازمند نے جواب دیئے تھے۔ فقط **باب اول تمام شد**

باب دوم در مناظرۂ علمی و عقلی موسوم بہ سیر دانش

رباعی

علم ظاہر رنگ و رسم و طور ہے
علم باطن عقل و فکر و غور ہے
ہے ابفیض عقل کل علم لدن
اس بیاں پر اتفاق دور ہے

سوال مقدر

حضرت یہ مفدر الدولہ آپکا حریف جزو ضعیف التماس کرتا ہے کہ حضور پہلے لغت اور اصطلاح کے بیان سے آگاہ فرمائیں اور اس کے بعد تدبیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی مع تعریف مفہوم ارشاد کریں تاکہ بندہ اس کی حقیقت سے واقف ہو کر تقریر کرے اور نیز جوابدہی کے واسطے بھی گنجایش ہو حاصل مطلب یہ ہے کہ اس حد و بسط کے ساتھ بیان فرمایئے کہ پھر آپکو اس سے تجاوز نہ کرنا پڑے۔

جواب مدبر

قبلہ عالم یہ مدبر الدولہ آپکا مخالف سارے جہان کا محسود تحقیق و اصطلاح کے بیان پر موجود ہے ادھر کان لگا کر سنیئے۔

بیان لغت حضرت کسی قوم کی کوئی بولی کیوں نہ ہو اُسکو لغت کہتے ہیں کیونکہ جو کچھ اس زبان کے واضع نے ان لوگوں کو سمجھا دیا ہے کہ ہم نے یہ لفظ خاص اس واسطے وضع کیا ہے وہ اسی پر عمل کرتے ہیں اور اصطلاح میں ان الفاظ سے مراد ہے۔ کہ جنکی معنی مشہور نہ ہوں مگر لغت اور اصطلاح میں کچھ نہ کچھ تناسب ضرور ہوتا ہے

جیسے چراغ سحر کہ اس کے معنی صبح کا چراغ ہیں اور اصطلاح میں اس سے قریب الزوال مراد ہے مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص چراغ سحری ہے یعنی ٹمٹمارہا ہے بجھنے کو ہے عنقریب نابود ہو جائے گا۔ علی ہذا القیاس آفتاب لب بام و سرکوہ وغیرہ۔

بیان اصطلاح۔ اس کے لغوی معنی باہم صلح کرنیکے ہیں مگر اصطلاح میں ایک گروہ کا متفق ہو کر معنے موضوع کے علاوہ اور معنی مقرر کر لینا ہے کہ ہم اس لفظ سے یہ مراد رکھیں گے جیسے کہتے ہیں کہ ہم اسکے پنجے میں ایسے پھنسے کہ ہمارے چھکے چھوٹ گئے یعنی ہم ایسے کے قابو میں آئے کہ ہمارے ہوش جاتے رہے اب تدبیر کے لغوی و اصطلاحی معنی سمجھے لغت میں تدبیر کے اتنے معنی لکھے ہیں غور کرنا نیک انجام سوچنا کسی کام میں پڑنا اور اصطلاح میں اس تجویز سے مراد ہے کہ آدمی اسکے وسیلے سے آفات و قلقوں سے بچے اور جو کام مشکل ہو اسکو باسانی کر سکے یا کسی کام کے تمام ہونے سے پہلے اسکا نتیجہ سوچے اور پھر اُسی کے موافق نکلے علم مخلوقات اور تجربہ کاری بھی اسی پر منحصر ہے جتنے حکما و عقلا یا مہندس و منجم ہوتے ہیں وہ سب اسی کی پیروی کرتے آئے ہیں اور اسی کے ذریعے سے ساری خدائی کا علم حاصل کیا ہے جیسے علم طب کہ اس سے صحت بدنی منصور ہے اور علم جر ثقیل کہ اس سے آسایش محنت نظر آتی ہے علی ہذا القیاس علم ہیئت و حکمت و منطق و سیمیا و کیمیا وغیرہ کہ یہ سب تدبیر سے متعلق ہیں اور ہر ایک سے کثیر فایدے نکلتے ہیں

قطعہ

ہراں کسے کہ کند پیروی اہل خرد | بہیچ وجہ ملالے بجال او نرسد
بآب تجربہ چوں گرد فتنہ بہ نشاند | غبار نقص بروے کمال او نرسد
بنائے رفعت اگر بر اساس حزم نہد | خلل بر تبۂ جاہ جلال او نرسد

اور اس آپ کے عاجز مدبر نے یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ تدبیر خاص فکر سالم ہے او وہ

کسی طرح غلطی پر نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ میزان عقل ہے اور اس سے ہزاروں مشکل عقدے ادنیٰ تامل میں حل ہو جاتے ہیں اور فکر وہ دریائے ذخار ہے کہ کسی نے اسکی انتہا نہیں پائی واقعی جو شخص اسکا غواص ہوگا وہ بڑا ہی عالی حوصلہ ہوگا کیسی سے کیسی سخت بلا یا جفا کیوں نہ پہنچے مگر وہ ہمیشہ شاداں و خنداں نظر آئیگا اور اپنی عقل دوربین کے بھروسے پر کبھی ناامید یا ہراساں نہ ہوگا قطعہ

باستواری اندیشہ کوش در تدبیر | کہ از تردد و وسواس صد خلل زاید
ثبات رائے بماید خیال کار درست | در آب جنبان صورت درست ننماید

البتہ جو شخص غفلت شعاری اختیار کرکے تقدیر کے بھروسے پر رہیگا اور بے تامل و فکر کوئی کام کرے گا تو بیشک ناتجربہ کاروں میں شمار کیا جائیگا قطعہ

با دل گفتم چو از خضر شاد نہ | در بند زبانہ یک دم آزاد نہ +
در تجربہ ہائے دہر استاداں را | شاگردی کن دلا کہ استاد نہ

اور عدم مراد یا نزول واردات پر نہایت حیران و پریشان نظر آئیگا اور کہیگا قطعہ

دنیا میں نہ اپنی کوئی حسرت نکلی | اے داغ کسی سے بھی نہ حاجت نکلی
جانا تھا کہ نکلے گا کسی سے کچھ کام | خود وقت کی محتاج قیامت نکلی

کیونکہ جس بات کا اس کو نصیب سے اعتبار تھا اس کے خلاف ظہور میں آیا اب کونسی بات کی امید رہی جو اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دل رد منزل کو قرار دے شعر

دشمنی از عقل محنتہائے بسیار آورد | تخم غفلت ہر کہ کارد رنج دل بار آورد

حضرت جو کچھ میں نے سمجھا تھا سو عرض کر دیا اب حضور بھی تقدیر کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرکے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

جواب مع سوال قبلہ حاجات تقدیر کے لغوی معنی اندازہ کرنیکے ہیں یعنی

وہ اندازہ جو خدائے تعالے نے مخلوقات کے واسطے ازل میں کیا ہے اور تا بہ ابد اُسکے موافق ہوگا اُس کو مقدر یا نصیب کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس کلام سے مراد ہے کہ وہ حسب نوشتۂ ازلی وقتاً فوقتاً یا موقع بموقع ظہور میں آتا ہے سچ ہے **مصرع**

آنچہ در لوح نوشت است ہماں خواہد بود

اکثر آدمیوں کو دیکھا ہے کہ جب ان کی تدبیر سے بظاہر کوئی کام بن پڑتا ہے تو اپنی عقل کی تحسین و آفرین کرتے ہیں اور جب کوئی کام بگڑ جاتا ہے تو تقدیر کے حوالہ کر کے ہو بیٹھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ بگاڑ اور سنوار دونوں مقدر پر منحصر ہیں تقدیر کے بگاڑ کی کچھ تدبیر نہیں ہوتی یہاں عقل کے بھی پر جلتے ہیں **شعر**

رضا بحکم قضا گر دہیم و گر ندہیم ازیں کمند نشاید بتیر مردی رست

اگر تقدیر کوئی چیز نہ ہوتی تو حکمائے عاقل و عقلائے کامل کسی بلا میں نہ مبتلا ہوتے اور جتنے اراذل و اسافل یا جاہل و غافل ہیں ہمیشہ اپنی جہالت اور حماقت سے کسی مرتبے پر نہ پہونچتے پس قسمت وہ شے ہے کہ ہزاروں داناؤں کو ناچار اور لاکھوں جاہلوں کو ذی وقار کر دیتی ہے **قطعہ**

گنج شاہی دہند دوناں را بہنر پیشہ نیم ناں ندہند

سفلہ بر صدر و اہل دانش را بغلط رہ بر آستاں ندہند

کسی حکیم کو اپنی موت کا علاج کرتے ہوئے نہیں دیکھا اگر اوروں کے علاج معالجے میں فکر کامل یا غور سالم نہیں کرتے تھے تو کیا اپنے واسطے بھی طبیعت پر قادر نہ تھے اور جب طبیعت کی کیفیت پر قابض نہ ہوئے اور اس کا تدارک نہ کیا تو پھر یہ حکمت کس کام آئیگی اگر حکمت کو خدائی کارخانوں میں دخل ہے تو آپ سنگ یا پتھر میں وہ کیفیت کیوں نہیں پیدا کر لیتے جو اقسام نباتات میں پائی جاتی ہے تاکہ پھر کسی چیز کے بونے جوتنے کی حاجت نہ پڑے اور خلایق کے واسطے بہبودی کی صورت نظر

آئے نہ بارش کی حاجت ہو نہ قحط کا دھڑکا رہے حضرت یہاں علم کیمیا و سیمیا سب دھرا رہتا ہے

نظم

ہمہ فیلسوفانِ یونان و رُوم | ندانند گر دانگبیں از زقوم
تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ | ولیکن نیاشد ز سنگ آئینہ
بکوشش نروید گل از شاخ بید | نہ زنگی بہ گرمابہ گردد سفید
چہ داند طبیب از کسے رنج برد | کہ بیچارہ خواہد خود از رنج مرد
چو روے نگردد خدنگ قضا | سپر نیست مر بندہ را جز رضا

علمائے متقدمین کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں کُل آٹھ قسم کے آدمی ہیں ان میں سے پانچ قسم کے تو مصلحت کی رو سے افضل و اعلےٰ ہیں جنکو مردان خدا کہتے ہیں اور باقی تین قسم کے آدمیوں کو اہل دنیا کہتے ہیں اُنہیں سے دو قسم آدمی تو عقلاے زمانہ کہلاتے ہیں اور ایک قسم کے نادانوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور جب ان کی تعریف پر نظر کیجاتی ہے تو جو اچھے ہیں وہ تقدیر کے پیرو پائے جاتے ہیں اور جو بُرے ہیں وہ تدبیر کے فرمانبردار معلوم ہوتے ہیں پہلے مردان خدا کی مجمل تعریف بیان کرتا ہوں ور ایسے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

صالح اول۔ اُس خیر اندیش نیک فرجام سے مراد ہے کہ وہ رحمت عامئہ ایزدی کو کسی قوم یا جماعت پر مخصوص نہ سمجھے اور اپنے کو آلایش خواہش سے بری رکھے **شعر**

جمع ہیں افراد عالم ایک ہیں | گل کے سب اوراق بر ہم ایک ہیں

اور یہ جانے کہ ہم جس لایق تھے اُسی کے موافق پیدا ہوئے ہیں اب ہم کو اُسکے تغیر و تبدل کا کچھ اختیار نہیں ہے جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کرتا ہے بے اختیاری پر اسف کرنا انصاف عبدیت سے بعید ہے یہ سمجھ کر اپنے کاروبار خدا پر چھوڑ دے اور اُسپر عمل کرے **شعر**

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

صلح دوم وہ صاحب نصیب ہے کہ دوست و دشمن اور اپنے بیگانوں کو یکساں جانے اور ایک ہی طرح سب کے ساتھ پیش آئے جو بات اپنے حق میں بُری سمجھے دوسرے کے لئے بھی اچھی نہ جانے۔

صلح سوم۔ اس ارجمند سے عبارت ہے کہ اگر سب سے محبت پیش نہ آئے تو خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کو عین اپنی رضامندی تصور کرے اور کسی طرح سے چیں بجبیں نہ ہو۔

صلح چہارم وہ نیک ذات بے تعصب ہے کہ رحمت شاملہ الٰہی کو کسی گروہ خاص پر تو منحصر کرتا ہے مگر مخالفین کی تردید اور اہانت کو بُرا جانکر طعنہ زنوں سے محفوظ رہتا ہے یہ طریقہ بھی صلح کل سے باہر نہیں ہے۔

صلح پنجم وہ سعادت مند سادہ لوح ہے کہ اگر اس کو حب کل یا رضائے کل یا صلح کل کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا یعنی اتنی سمجھ نہیں ہے تو جو کچھ اگلوں نے خواہ اپنی عقل اور خواہ تقلید سے بیان کیا ہے بے مداخلت ریا اُس روش خاص کی پیروی کرے جو ان کے نزدیک اچھا ہے اُسے بیدھڑک عمل میں لائے اور جو بات اُنکے خلاف ہے اُس سے اجتناب کرے اگرچہ آپ ان پانچوں کو نہیں مانیں گے مگر میں نے آٹھ قسموں کی تصدیق کے واسطے ان کی تشریح کردی ہے اب دنیاداروں کی قسمیں بیان کرتا ہوں۔

احزم اُن ہوشیاروں کے ہوشیار سے مراد ہے جو قبل از وقوع واقعہ گردش آسمانی سے بیخبر نہ رہے اور حتی الوسع ایسے امور بد سے جو اس کے حق میں مضر ہوں احتراز کرے اور جو اس پر بھی کوئی واردات پیش آئے تو باوجود قدرت اس کے دفع کرنیکی تدبیر سے باز رہے اور مشیت نازلہ پر صابر و شاکر ہو کر رضا و تسلیم اختیار کرے۔ جیسے جلال الدین اکبر پادشاہ کے ذکر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

حازم۔ اس دانشمند کو کہتے ہیں جو قبل از وقوع واردات باوجود بے اختیاری و اضطراب اُس کے دفعیہ میں کوشش کرے اور اس تدبیر ناشایستہ کے گمان پر مطمئن ہو بیٹھے اور بعد از وقوع حادثہ مضطر ہو کر تدبیر سے ہاتھ اُٹھائے اور پھر تقدیر سے بہتری کی اُمید پر توکل اختیار کرے اور اس سے اپنے دل کو تسلی دیتا رہے جیسے شاہ جہان کے حال میں یہ بات پائی جاتی ہے یہ دونوں گروہ عقلائے زمانے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

عاجز۔ اس بیچارے بے پروا سے مُراد ہے جو قبل از درود حادثہ کچھ فکر یا تدارک نہ کرے اور اپنی ذات کو ہر ایک طرح کے خیر و شر پر قادر سمجھ کر جس کام میں چاہے مُبادرت کرے اور بعد از نزول بلا طرح طرح کی کوشش میں سرگرم ہو اور بعدہٗ تقدیر کے حوالہ کر کے عجز اختیار کرے جیسے بہادر شاہ خاتم خاندان تیموریہ کے بیان سے جس کا اس کتاب میں ذکر نہیں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے اب اسکے سمجھنے کے لئے ایک چھوٹی سی حکایت لکھدیتا ہوں۔

حکایت۔ ایک تالاب میں تین مچھلیاں سکونت پذیر تھیں قضائے کار ایکدن شام کے وقت کوئی ماہی گیر اُدھر جا نکلا اور اس تالاب کو دیکھ کر چلا آیا ایک مچھلی نے اس حال سے مطلع ہو کر باقی دو مچھلیوں سے کہا کہ اب میں اپنا رستہ لیتی ہوں جسکا جی چاہے میرے ساتھ چلو یہاں کچھ آفت آنیوالی ہے اور زیادہ کہنے کی مجھے فرصت نہیں ہے جو بالتصریح بیان کروں۔ جب یہ ایک نہر میں سے تیر کر جانے لگی تو ان دونوں میں سے ایک اس کے ہمراہ ہولی اور تھوڑی سی دور جا کر کہا کہ تو صرف ماہی گیر کے ڈر سے بھاگی جاتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ وہ یہاں ضرور آئیگا کچھ بلا لائیگا اری کمبخت اگر وہ نہ آیا تو مفت میں وطن سے بے وطن ہونا پڑا کہاں کہاں در بدر خاک بسر ٹھوکریں کھاتے خاک اڑاتے پھریں گے دیکھ اب بھی واپس چلی آ ورنہ تجھے اختیار ہے میں اُلٹی جاتی ہوں غرض اس کے آتے ہی ماہی گیر نے جال پھینکا اور

اسمیں پھنس گئیں جو مچھلی الٹی پھر کر آئی تھی۔ اُس نے فوراً آپ کو مردہ بنا دیا اور ظاہر میں بیحس و حرکت ہو گئی کر اب جو کرے سو مولیٰ اور تیسری ماہی تڑپنے لگی اور خوب ہاتھ پاؤں مارے کہ شاید اس بلا سے نکل جاؤں مگر کچھ نہ ہو سکا اُس ماہی گیر نے بھی اُس کو تو پکڑ لیا اور اسکو مردہ سمجھ کر اُلٹا تالاب میں پھینک دیا اس نے تو اس بلائے ناگہانی سے نجات پائی اور اپنی کوشش سے گرفتار ہوئی۔ اس حکایت کا نتیجہ یہ ہے کہ آخرم نے تو پہلے سے اپنا بندوبست کر لیا اور حازم نے تقدیر پر شاکر ہو کر مردگی اختیار کر لی اور رہائی پائی اور عاجز نے عین وقت پر تدارک کرنے سے اپنی جان دی اور مفت مصیبت اُٹھائی۔

نہیں معلوم آپ نے کونسے آدمیوں کو عقلمند تصور کیا ہے کہ وہ سراسر تقدیر کے خلاف برسر مصاف ہیں اگر آپ عقل کی تعریف بیان فرما کر ان کا ذکر چھیڑیں تو بہتر ہے تاکہ میں بھی اس سے واقفیت حاصل کروں اور دیکھوں کہ آپ کی عقل سب سے جدا یا کسی مذہب کے موافق ہے۔ فقط

عارف۔ حضرت بیشک اقسام مردم کے بیان سے تقدیر کی پاسداری پائی جاتی ہے۔ مگر میں اس گھڑت کو کب مانتا ہوں۔ کس واسطے کہ ان میں سے بعض کی تعریف اہل حکمت کے خلاف ہے۔ وہ انسان کی عادت کو طبیعت ثانیہ لکھتے ہیں اور عادت کے زایل اور پیدا کرنے پر ہر ایک بشر قادر ہے اور یہاں مردان خدا کی تعریف میں ہر ایک برائی اور بھلائی کا خدا فاعل قرار دیتا ہے اگرچہ اس اعتراض کا جواب اُس عبارت سے نکلتا ہے کہ وہ نہایت عجز اور غایت انکسار سے اپنے نفس کو کسی خیر و شر کا فاعل نہیں تصور کرتے ہیں کہ اس میں سوء ادب اور نفس پروری ہے اور اگر یہ بات اختیار کریں تو موحدوں کی شان میں بٹہ لگے

شعر

جہاں علم توحید کی گفتگو ہے۔ نہ یہ ہے نہ وہ ہے نہ میں ہوں نہ تو ہے

یہ عین ان کے اعتقاد کی مضبوطی ہے اور استحکام عقیدت میں سب کچھ موجود ہے مگر دنیاداروں

کے نزدیک اس میں بہت اختلاف ہے اور میں ان لوگوں کی گفتگو پسند کرتا ہوں ان سے اٹھے پہر کام پڑتا رہتا ہے آپ ان لوگوں کی پیروی کرتے ہیں آپکو مبارک ہے مجھ سے تو عقل کی تعریف سن لیجئے۔ عقل کے لغوی معنی زبانوں میں بندھن باندھنا ہیں چونکہ خرد طبیعت کو افعال ذمیمہ کی طرف جانے سے روکتی ہے اس سبب سے اسکو عقل کہتے ہیں اور حکما کا یہ قول ہے کہ تراکیب عناصر سے جسم پیدا ہوا اور ہر ایک عنصر نے حواس خمسہ ظاہری میں اپنی قوت پہنچائی اور جب وہ قوت دماغ میں داخل ہوئی تو اس سے حواس باطنی پیدا ہوئے اور ان سب کے لب لباب سے نفس بنا اور اس سے دو خواص ایک گرمی حرارت عزیزی دوسرے نور کہ اس سے عقل مراد ہے ظاہر ہوئے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عقل مادے سے بری اور نور الٰہی میں داخل ہے بلکہ عقول عشرہ میں سے یہ بھی ایک فرشتہ ہے اور عوام الناس کی اصطلاح میں عقل اُس قوت افضل المخلوقات و حل مشکلات سے عبارت ہے کہ وہ بمنزل بینائی چشم آدمی کے دل میں رہتی ہے اور اسی کے ذریعے سے حق و باطل و نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے۔ اگر اس کو کلید معرفت کہیں تو بجا ہے کس لئے کہ اس پر تمام امور کا مدار ہے اور میں تدابیر اسی عقل سے مراد رکھتا ہوں اب حضور فرمائیں کہ یہ بھی خطا پر ہو سکتی ہے یا نہیں میرے نزدیک اسکے بغیر کوئی کام نہیں چلتا۔ اشعار

از خرد امداد گر جوئی رواست ۔۔۔ زانکہ عقل آئینہ صنع خداست

از خرد ساماں بگیرد کارہا ۔۔۔ در خرد آساں شود دشوارہا

حجت عقل است ملت را مدار ۔۔۔ معنیش برہان صورت ذوالفقار

عقل باشد گوہر اندیشہ زا ۔۔۔ عقل باشد سوئے مقصد رہنما

گر نہ خورشید خرد تاباں بُدے ۔۔۔ خوب و زشت اندر جہاں یکساں بدے

گر نہ گشتے عقل میزان ہنر ۔۔۔ سنگ گشتے ہم ترازو با گہر

جو اشخاص اس عقل کے مقلد ہیں ہیں ان کو اہل دانش ماتا ہوں حضرت جسطرح آدمی کی کئی قسمیں ہیں اسیطرح ہر ایک قول اور فعل بھی چار طرح پر خیال میں آتا ہے ایک یہ کہ اول بھی خراب اور آخر بھی خراب جیسے ملکات سویہ یعنی حسد۔ تبغض۔ بخل۔ حرص۔ کذب غضب۔ بیحیائی۔ تکبر وغیرہ دوسرے یہ کہ اول بھی اچھا اور آخر بھی اچھا جیسے ملکات فاضلہ یعنی حکمت۔ شجاعت عفت۔ عدالت وغیرہ تیسرے یہ کہ اول خوب اور آخر خراب جیسے لذائذ نفسانی۔ اسراف۔ اضطراب وغیرہ چوتھے یہ کہ اول بُرا اور آخر اچھا جیسے صبر قناعت۔ بُردباری۔ زحمت اُستاد نصیحت والدین علیٰ ہذا القیاس اور اسی قسم کی باتیں پس ان میں سے جس قول یا فعل کے اول آخر میں رحمت متصور ہے یا اُسکے ابتدا میں طبیعت کو انقباض اور انتہا میں انبساط ہے تو ہم اس قسم کے قول و فعل کو عین تدبیر یا موافق تدبیر کہتے ہیں کیونکہ تدبیر ایک ایسے بندوبست کا نام ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا ہو اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بیوقوفوں میں شمار کیا جاتا ہے اگرچہ تقدیر بمنزل فرمان شاہی مانی جاتی ہے۔ مگر تدبیر مُہر فرمان کہلاتی ہے جبتک کسی حکم یا پروانے پر حاکم کی مُہر یا دستخط نہیں ہوتے ہیں وہ ہرگز جاری ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور اگر بالفرض جاری بھی ہو تو کسی کے نزدیک قابل سماعت و لایق اعتبار نہیں ہے یہاں بھی تدبیر مقدم ہے اور تقدیر مؤخر غرض دونوں لازم ملزوم ہیں دوسرے یہ کہ اکثر مردان خدا سے جو ہمہ تن تقدیر کے مُقِر ہیں یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ قیامت کے دن حساب ہو کر ہر ایک کے اعمال کے موافق عملدرآمد ہوگا اے حضرت اگر خیر و شر مقدر پر موقوف ہے تو پھر کس بات کا حساب لیا جائے گا کیا ظلم کیا جائے گا اس بات سے معلوم ہوا کہ بیچارے ناکردہ گناہ مفت گرفتار عذاب ہوں گے کیا اتنی بھی زبان نہ ہوگی جو بقول سعدی علیہ الرحمتہ یہ قطعہ سنائیں آپ بھی غضب الٰہی سے بچیں اور سبکو بچائیں قطعہ

بروز حشر الہی چو نامۂ عملم کنند باز کہ آں روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آنرا ز سر نوشت ازل اگر زیادہ کمی باشد آں گناہ من است

اور تمہارا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں کسی طرح کی بے انصافی نہیں ہے یہاں تو انصاف بالائے طاق نظر آتا ہے **شعر**

مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا

اور اگر ہر ایک کو از روئے حق نیکی و بدی کی پاداش دی جائیگی تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس نے تدبر اور تامل سے کوئی کام کیا ہوگا وہ ہی جزائے نیک کا مستحق ہوگا اور جو شخص تقدیر کے بھروسے پر ہر ایک کام میں قدم انداز ہوگا اس کو جہالت کی سزا دیجائیگی اور ہمارا تو یہ مذہب ہے جیسا کوئی کرے گا ویسا پائے گا **شعر**

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق رو سیاہی سر و ساماں ہے سیہ کاروں کا

ہاں آپ کے دل میں آئے سو کریں آپ کے پاس معافی کا پروانہ جسکو آپ نصیب کہتے ہیں موجود ہے **مصرع**

آپ جو چاہیں کریں آپکی بن آئی ہے

امیدوار ہوں کہ ہر ایک سوال کا علی الترتیب وافی اور کافی جواب عنایت فرمائیں تاکہ میری ان خیالات فاسدہ سے تشفی ہو اور آپکو دعا دوں۔

مُقدّر حضرت آپ ترتیب وار ہر ایک بات کا جواب باصواب سننے چاہیئے آپنے اس عقل کی تعریف تو بیان کی مگر قسمیں بتائیں سو اب مجھ سے سن لیجئے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال لیئے جتنے ذی روح ہیں ان میں دو قسم کی عقل ہے ایک ذاتی دوسری خارجی **ذاتی** وہ ہے کہ ہر ایک جنس یا صنف کی سرشت میں ہر حال اور ہر وقت میں موجود رہتی ہے اور وہ کسی طرح زایل نہیں ہوتی بیفکر و تامل اُس پر عمل ہوتا ہے جیسے کہ بط کا اگر اس کے بچے کو پیدا ہوتے ہی پانی میں چھوڑ دیں تو وہ بغیر سکھلائے اپنے اور

ہمجنسوں کی طرح عقل ذاتی کے وسیلے سے تیر کر نکل آئیگا اور ایک ایسی مثل بھی مشہور ہے کہ مچھلی کے جائے کو تیرنا کون سکھاتا ہے یعنی وہ سیکھا سکھایا پیدا ہوتا ہے دوسری مثال یہ ہے کہ جس وقت کتا بالغ ہوجاتا ہے تو خودبخود ٹانگ اٹھاکر پیشاب کرتا ہے اور اگر کسی انسان کے بچے کو درندوں میں پرورش کریں تو کبھی اس سے اسبات کی امید نہیں ہوگی کہ ان کی طرح خودبخود تیرنے یا شکار کرنے لگے اور اپنے ماں باپ کی سی بھولکر بھی کوئی حرکت نہ کرے بلکہ ضرور ہے کہ اس سے ایک نہ ایک انسان کی سی حرکت صادر ہو اُس کو عقل حیوانی بھی کہتے ہیں اور یہ کل افراد میں علی قدر مراتب موجود ہے دوسری **عقل خارجی** کہ یہ خاص انسان کے واسطے مخصوص ہے اور عقلاے متقدمین نے اس کی دو قسمیں لکھکر پھر چار قسم پر تقسیم کیا ہے یہ عقل انسان کی تجربہ کاری و مشاہدہ صنعت باری پر منحصر ہے۔ اسے عقل انسانی بھی کہتے ہیں اور اس کی پہلی دو قسمیں یہ ہیں ایک **قوت نظری** یعنی بقدر طاقت بشری حقایق اشیا کا یہاں تک دریافت کرنا کہ مصنوع سے صانع کو پہچان لے دوسری **قوت عملی** یعنی افعال برگزیدہ و اقوال حمیدہ کا اختیار کرنا تا کہ نفس کو اخلاق پسندیدہ کی عادت ہو اور باقی چاروں قسمیں یہ ہیں۔

اول ذکا کہ افزونئے ادراک سے نفس ناطقہ کو یہ قوت ہوجائے کہ اندک توجہ میں تمام مقدمات پر عبور کرکے نتیجہ دیکھ لے۔

دوم صفائے ذہن یعنی استخراج مطالب میں یہ استعداد و ملکہ حاصل ہو کہ بے تشویش واضطراب اپنا مقصد نکال لے۔

سوم حسن تعقل کہ وہ خطا و سہو سے محفوظ رہتا ہے۔

چہارم تحفظ یعنی صور معقولہ محسوسہ کو اس طرح پر ضبط کرے کہ جس وقت ان کے ملاحظہ کی حاجت ہو تو سب معاملات باسانی پیش نظر ہوجائیں۔ اگر تدبیر عقل حیوانی سے مراد ہے تو یہ سب میں پائی جاتی ہے پس آپ میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے جو اُس سے

آپ کی فوقیت مانیں اور جو آپ عقل انسانی کو تدبیر کہتے ہیں تو یہ مخلوق اول کی جس کو عقل اول وروح اعظم یا قلم اعلےٰ کہتے ہیں احسان مند ہے کیونکہ یہ اولین حکم ازلی ہی اور اسی کو قضا وقدر بیان کرتے ہیں یہ عین ہمارا مدعا ہے اس لئے کہ ارواح وعقول جزئیہ جو اجسام انسانی سے متعلق ہیں اُس عقل کل یا روح اعظم سے جو معدن فیوض اور منبع انوار ہے مستفیض مقتبس ہیں اور درحقیقت وہ انوار الٰہی کا ایک لمعہ ہے اور ان ارواح کو اُس روح اعظم سے وہ نسبت ہے جو ذرے کو جرم آفتاب سے ہے یعنی جب تک آفتاب نہ چمکے اور اس کا پرتو نہ پڑے آنکھ میں نور بینش پیدا نہ ہو اور کچھ بھی نظر نہ آئے (اس میں سے شپر کی خاصیت کی مخلوق مستثنےٰ ہے) پس اس سے ثابت ہوا کہ جوہر اول جو تقدیر ازلی ہے مخدومیت کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور تدبیر خادمیت کا۔ بھائی صاحب عقل بمنزلہ چراغ ہے کہ اُس سے نشیب وفراز دیکھکر براہِ راست ہی بنائی سڑک پر چلیں نہ یہ کہ آپ رستہ نکال لیں اور بے دلیل اُسکو درست جانیں یہ عین جہل مرکب ہے عقل سے ہرگز یہ اختراع ممکن نہیں بلکہ راستہ وہی ہے جو قضا وقدر سے قرار پایا ہے۔ شعر

گوش شنوا نہیں اس باغ جہاں میں غافل ∴ ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ تقدیر بجائے فرمان شاہی اور تدبیر مہر فرمان ہے مصرع

جاناں سخن از زبان من میگوئی ٭

حضرت فرمان پہلے لکھا جاتا ہے یا دستخط ہوتی ہے۔ یہاں تو سراسر تقدیر کی تقدیم پائی جاتی ہے شکر ہے کہ آپنے اپنے مونہہ سے اقرار کیا سچ ہے حق زبان سے نکل ہی جاتا ہے اور اگر آپ اس کو نہیں مانتے تو تقدم کی بالاتفاق پانچ قسمیں ہیں اُن میں سے ایک بھی تدبیر میں ثابت نہیں ہوتی ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیے پھر باقی باتوں کا جواب دوں گا۔

اوّل تقدم بالرتبہ جیسے خادم پر آقا کو تقدم ہے اور مقتدی پر امام کو۔
دوم۔ تقدم بالزمان جیسے ازل کو ابد پر تقدم ہے۔
سوم۔ تقدم بالشرف جیسے اجرام کو اجسام پر اور ارواح کو اجرام پر تقدیم ہے۔
علی ہذا القیاس عقل اول کو بھی مخلوقات پر تقدم ہے۔
چہارم تقدم بالعلت جیسے ہاتھ کی حرکت کا کنجی پر تقدم ہے۔
پنجم۔ تقدم بالطبع یعنی کسی شے کا اس حیثیت پر مقدم ہونا کہ متاخر تو اس کا محتاج ہو اور متقدم بذات خود محتاج جیسے علت تامہ کہ متاخر اس کا محتاج ہے اور متقدم کو کسی طرح کی احتیاج نہیں ہے اسی طرح ایک کے عدد کو دو پر تقدم ہے یعنی جبتک ایک اور ایک نہ ملائیں گے دو نہیں کہیں گے علی ہذا القیاس تقدیر کو بھی تدبیر پر تقدیم ہے کہ یہ اُس کی محتاج ہے اور وہ اس کی مطیع نہیں ہے۔ جناب عالی یہاں بھی ہر طرح تقدیر کو تقدیم ہے آپنے کیا سمجھکر کہا تھا اب لازم ملزوم کا بھی جھگڑا کاٹتا ہوں ذرا غور کیجئے اگر آپ تقدیر کو جوہر اور تدبیر کو عرض بیان کرتے تو البتہ کچھ گنجایش بھی مگر لازم ملزوم میں کوئی بات نہیں بنتی ہے کیونکہ لازم ملزوم میں ایک چیز کو دوسری چیز کی ہمراہی یا معاونت ضرور ہے جیسے آفتاب اور دن۔ چاند اور چاندنی رات اگر آفتاب ہوگا تو دن کہلائیگا اور چاند ہوگا تو چاندنی رات کہینگے ورنہ کسی طرح یہ ممکن نہیں کہ سورج تو نہ نکلے اور دن ہو جائے پس آفتاب اور چاند ملزوم ہیں اور دن اور چاندنی رات لازم یعنی روز تابع ہے اور خورشید متبوع یا دن خادم ہے اور آفتاب مخدوم اور حضرت سلامت از روئے تعریف عام جوہر کو عرض کا ہونا ضروریات سے نہیں ہے مگر سنئے کہ عرض قایم بغیرہ ہے اور جوہر قایم بذاتہ جیسے کپڑا اور رنگ کہ جبتک اُس پر رنگ نہیں چڑھے گا تو جوہر کہیں گے اور جب رنگ چڑھ جائیگا تو اس رنگ کو عرض کہیں گے کیونکہ

رنگ قایم بغیر جسم ہے۔ اور جسم قایم بذات اور اسی طرح تدبیر قایم بغیر ہے اور تقدیر قایم بذات یعنی تدبیر کو تقدیر کا ہونا ضرور اور فرض ہے اور تقدیر کو اسکی حاجت نہیں حضرت تقدیر پر شاکر ہونا تو افلاطون کے قول سے بھی جس کو آپ کیا بلکہ تمام عقلا مدبر زمانہ کہتے ہیں پایا جاتا ہے اُس کا قول ہے کہ حریص ترین زمانہ مگس ہے اور قانع ترین دنیا عنکبوت اُس قادر مطلق کی قدرت دیکھو کہ حریص قانع کے زیر پا ہے یعنی مگس عنکبوت کی غذا ہے۔ **شعر**

مرتبہ کم حرص رغبت سے بہا ہو گیا ۔۔۔ آفتاب اتنا چڑھا و سمجا کہ ہارا ہو گیا

اگر یہاں قدرت کو نہ مانیں گے تو اور کس بات کو جانیں گے بس مردان خدا اور عقلا میں اس بات سے کچھ فرق نہیں رہا جیسا آپ نے ان کو کہا ویسا ان کو کہا اب خیر و شر قیامت کا جواب گوش زد فرمایئے۔ پہلے یہ سمجھئے کہ دنیا کیوں اور کس واسطے پیدا ہوئی ہے یہ صرف آزمایش کے لئے بنی ہے اور آزمایش بغیر اضداد و اختلاف یعنی خیر و شر کے کسی طرح خیال میں نہیں آتی۔ اگر خداوند تعالے کو آزمایش نہ منظور ہوتی تو فرشتوں کے ہوتے کبھی انسان نہ پیدا ہوتا انسان کے لئے نفس بنایا اور اس پر اس کا امتحان موقوف رکھا اگرچہ نفس فی الحقیقت ایک ہی روح کا نام ہے مگر جتنی صفتوں کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اُتنے ہی ناموں سے نامزد ہے۔

اوّل۔ نفس امارہ یعنی لذاید نفسانی و حظوظ فانی کے ارتکاب پر سختی حکم کرنے والا غرض جس میں صفت شیطانی پائی جاوے وہ نفس امارہ کہلاتا ہے ؛

دوم۔ نفس لوامہ یعنی بہدایت عقل آپکو وقوع عصیان پر نہایت ملامت کر بیش آنے والا) یہ باتیں مردان خدا میں پائی جاتی ہیں کہ وہ ہر وقت اپنی خطا پر مقر اور اپنے کئے سے شرمندہ ہوتے رہتے ہیں اگرچہ خیر و شر خدا کی طرف سے جانتے ہیں مگر یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں آزمایش کے واسطے

پیدا ہوئی ہیں اگر ہم اس امتحان میں پورے نہ اترے تو کس کام آئیں گے پیدا ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں اور اس کے بدلے کو مقدر پر موقوف رکھتے ہیں اور اگر تقدیر پر منحصر نہ رکھتے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو اعمال نیک کرے گا وہ بخشا جائیگا اور گنہگار ہمیشہ عذاب میں رہیگا پس تقدیر پر یقین نہ کرنا گویا خدا کی غفاری کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے تقدیر کا واسطہ سمجھتے ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے جس زاہد کو چاہے عذاب میں گرفتار کرے اور جس گنہگار کو چاہے اپنی رحمت سے بخشدے۔ شعر

الٰہی تا غفور آمدت شنیدم ؛ گنہ راست شادی مرگ دیدم

بھائی صاحب ذرا تمہیں انصاف سے کہو کہ محتاج اور مفلس کو دینا چاہئے یا تونگر کے ساتھ سلوک کرنا مناسب ہے۔ شعر

ابر باید کہ بصحرا بارد ؛ زاں چہ حاصل کہ بدریا بارد

اگر گنہگار نہ بخشے جائیں گے تو اور کون بخشش کے لائق ہوگا اور اگر زاہد بخشا گیا۔ تو اس نے اپنے زہد کا صلہ پایا غفاری یا سخاوت کا نام بھی نہ آیا۔ اشعار

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو ؛ کہ مستحق کرامت گناہگارانند

در کعبہ اگر بادہ خوری جرم ندارد ؛ اندیشہ مکن صاحب اینجا نہ بزرگ است

ز ہول روز حساب آخری چہ مے ترسی ؛ تو کیستی کہ دراں روز در شمار آئی

اور اسی سبب سے وہ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے صلح کل یا حب کل پر چلتے ہیں اور بروز قیامت اسی بات کی پرسش ہوگی کہ تو نے دنیا میں جا کر اپنی ذات کے واسطے کیا حاصل کیا آپ ناحق مغلوب الغضب ہو کر ان لوگوں پر حسد کرتے ہیں شعر

اگر آتش مزاجوں کو حسد ہو خاکساں پر ؛ تعجب کیا کہ ابلیس لعین دشمن ہے آدم کا

اب باقی نفوس کی تعریف سنیئے۔

سوم نفس مطمئنہ (یعنی صفات ذمیمہ کو چھوڑ کر اخلاق حمیدہ کا اختیار کرنا) اور بقدر حیثیت اپنے معبود کو پہچان کر مطمئن ہو بیٹھنا اہل تصوف ان ہی اشخاص سے مراد ہے کہ یا اپنی روح کو کثافت دنیوی سے اس قدر پاک اور صاف کرتے ہیں کہ سراسر لطیف ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے اس خطاب سے مشرف ہوئے ہیں اور بعضوں نے چار نفس لکھے ہیں ایک نفس ملہما ور بڑھایا ہے۔ یعنی اس سے ارادت مختلفہ کا دل میں ظہور ہوتا ہے اور یہ سب باتیں بیشتر یقین پر منحصر ہیں اور یقین کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی علم الیقین وہ ہے کہ کسی چیز کی اول نمایش میں علم کی رو سے بے شک و شبہ اس کی صورت کا یقین ہو جاوے۔

دوسری عین الیقین وہ ہے کہ اندک تامل و تعمق سے بوسیلۂ فکر کسی چیز کی خاصیت کا یقین حاصل ہو۔

تیسری حق الیقین وہ ہے کہ بعد تامل و توغل کسی چیز کی ماہیت کا یقین کامل آجائے مثلاً کسی شخص نے دودھ میں سے گھی نکلنے کا ذکر سنکر بے شبہ یقین کر لیا کہ اس میں موجود ہے تو یہ علم الیقین ہوا اور جب اس نے اپنی آنکھ سے نکلتے ہوئے دیکھا تو عین الیقین ہوگا جیسے ذوق کا شعر اس بات کا مصداق ہے۔

شعر

نہ چھوڑے گی جیتا نہ مجھے چشم قاتل ؛ یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے

اور جب خود نکالنے لگا اور یہاں تک ملکہ اور تجربہ ہو گیا کہ اس قسم کے شیر میں زیادہ گھی نکلتا ہے اور اس قسم کے دودھ میں کم تو یہ حق الیقین کا مرتبہ ہو گیا پس یقین شک کی ضد ہے اور عین غیر کی جو نقطہ ہے کامل یعنی صاحب دل یا مردان خدا ہیں وہ ہر دم اپنے نفس کی خواہش کو دیکھتے رہتے ہیں اور ذائقے کے پابند نہیں ہوتے

اور جو بات اُس وقت کے لایق ہوتی ہے اُس سے نفس کی تلافی کر دیتے ہیں کمال نفس انسانی اِس سبب سے دو طرح پر خیال میں آتا ہے کہ نفس ناطقہ کی دو قوتیں بہترین افعال وخوشترین احوال میں شمار کی جاتی ہیں ایک قوت علمی دوسری عملی۔ علمی اُس قوت سے مراد ہے کہ انسان کو ادراک معارف وکمال علوم کا شوق پیدا ہو تاکہ اُس کے وسیلے سے مراتب موجودات وحقایق ممکنات کو بحسب استطاعت حاصل کرے اور اس کے بعد مطلوب حقیقی ومقصود کلی سے کہ وہ جملہ موجودات کی جڑ اور اصل ہے مشرف ہو اور مقام توحید واتحاد حاصل کرنیکے بعد باطمینان خاطر چین سے ہو بیٹھے۔

عملی وہ قوت ہے کہ آدمی اپنے قوے اور افعال کو ایسا منضبط کرے کہ ایک یا دوسرے کے موافق اور مطابق ہو جائیں ایک پر ایک تغلب نہ کر سکے پس یہی اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ ہیں چونکہ قوت علمی یا نظری بجائے جسم اور عملی بمنزل مادہ ہے جس طرح بدن بغیر مادے کے اور مادہ بغیر بدن کے قیام کی صورت نہیں قبول کرتا ہے۔ اسیطرح علم بے عمل اور عمل بغیر علم محال و ناممکن ہے اور شناخت نفس ان باتوں کے احتراز کرنے سے حاصل ہوتی ہے ایک تو بہت کھانے پینے سے حذر کرنا چاہیئے۔ دوسرے کثرت جماع ولزوم کا پابند نہ ہو۔ تیسری بیہودہ گوئی وافزوں طلبی میں اوقات بسر نہ کرے چوتھی تکبر اور تعجیل اور غضب اور بخل ودروغ گوئی وغیرہ سے بچے چنانچہ عبداللہ انصاری قدس اللہ سرہٗ نے لکھا ہے کہ درویش کا پانی کنوے میں اور روٹی غیب میں ہے نہ اُس کے سر میں غرور ہوتا ہے نہ گرہ میں پیسا یعنی وہ درویشی کی صفت سے باہر ہے جو ان میں سے کسی چیز کا پابند ہے۔ کیونکہ درویش کو توکل اور کسر نفسی ضرور ہے اور پابندی سے خیال بٹتا ہے۔ اور دو دلی میں نفس کی واقفیت دشوار ہے جبتک انسان حواس پر قابض نہ ہوگا اور

تفکرات لایعنی سے نہ بچیگا نفس کو نہیں پہچانیگا اور آدمی ان باتوں کو جب سمجھتا ہے کہ تقدیر بد کرے دیکھو اگر مردانِ خدا تقدیر کے قایل نہ ہوتے تو کتنی قباحتوں میں گرفتار ہوتے خدا کی غفاری کا انہیں انکار کرنا پڑتا تکبر میں وہ مبتلا ہوتے اور اسی طرح کی برائیاں نکلتیں اور تدبیر سے عجب آتے ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی انسان کو یہ سما جاتی ہے کہ میری عقل سے یہ کام ہوا ورنہ کوئی اس کا درست کرنے والا نہیں تھا۔ خدا کو بھول جاتا ہے وسوسہ شیطانی میں پھول جاتا ہے پس تقریر مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ تقدیر سب چیز کی جڑ ہے اور تدبیر فرع اور بے اصل کے فرع موجود ہونی ناممکن ہے پس جو کچھ ہے اصل ہی سے قایم ہے اب حضرت میرے کہنے پر یقین لائیگا یا کچھ اور دم باقی ہے۔ **شعر**

تا چند ژاژ خائی و بیہودہ میاں اے ترگ من مناز کہ ترکی تمام شد

جواب مدبر مع سوال

حضرت اس کا جواب بھی ملاحظہ فرمایئے میں نے فرض کیا کہ تقدیر معنی اور تدبیر صورت ہے مگر صورت کے بغیر معنی کی تمیز نہیں ہوتی جبتک صورت نہ دیکھو گے معنی کی طرف کیونکر رجوع کروگے دیکھو مصنوع سے صانع کو پہچان سکتے ہیں اور صانع کو دیکھ کر مصنوع کو نہیں جان سکتے کہ یہ کون بلا ہے چنانچہ شیخ سعدی نے لکھا ہے۔ **شعر**

اگر ہوشمندی بمعنی گرا اے کہ معنی ز صورت بماند بجائے

یہ بھی غنیمت ہے کہ خدا نے تدبیر اور تقدیر کو وزن و تعداد حروف میں تو برابر یکساں پیدا کیا مگر ایک ایک حرف کا فرق ڈال دیا ورنہ آپ میری برابری کا دعوے کرتے تدبیر میں حرف ب جو سرِ بقا اور پائے مطلوب ہے مختلف ہے اور اسکے یہ معنی

ہیں کہ تدبیر وہ شے ہے جو مطلب خواستہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ہے ہر ایک کو اپنی مراد پر پہنچا دیتی ہے۔ باوجودیکہ **ب** تدبیر کا ایک جزو ہے اور اس کو جدا بھی کرلیا ہے مگر ہنوز اپنے معنوں پر مستقل اور اپنے کل سے مشترک ہے اسکی دلیل بدیہی ہے **ب** علم ادب میں تائید اور واسطے کا فایدہ دیتی ہے۔ لمئے اہل زمانہ کی عقل کو کیا ہوا ہے کہ اس موجود کی قدر نجانکر تقدیر پر جو ایک چیز موہوم ہے بھروسا کرتے ہیں کچھ ہی صدمہ کیوں نہ ہو مگر اسی کا دم بھرتے ہیں۔ **قطعہ**

امروز بہائے ہیزم و عود یکے ست ∴ در چشم جہاں خلیل و نمرود یکے ست

در گوش کسانیکہ دریں بازارند ∴ آواز خر و نغمہ داؤد یکے ست

لاکھوں میں کوئی ہوگا جو ان اہل دنیا سے خوش ہوگا ورنہ ایک جہان انکی بے تمیزی کا شاکی اور گلہ مند ہے۔ **قطعہ**

کچھ گل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل ∴ ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہیگا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل ∴ گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل

اور تقدیر میں حرف کاف **ق** جو سر قصور اور پاے غرق ہے تدبیر کے برخلاف ہے یعنی جو شخص تقدیر کے برتنے پر بھولتا ہے وہ دریاے قصور میں غرق ہوتا ہے اور اپنے مطلب سے باز رہتا ہے۔ زیادہ کیا کہوں اسی کا جواب مشکل ہوگا۔

جواب مقدر

حضرت یہ آپ کا فرمانا محض غلط ہے کہ صورت سے معنی کو قیام ہے قبلہ جتنے وجود ہیں سب قابل فنا ہیں کیونکہ ترکیب عناصر سے پیدا ہوئے ہیں اور معنی کو کسیطرح فنا نہیں ذرا غور کیجئے کہ پہلے معنی کی پیدایش ہے یا صورت کی نمایش ہے۔ جب تک معنی نہوگی تو صورت کا کیونکر ظہور ہوگا یہ اور طرہ ہے کہ بیچارے سعدی کے

شعر کی مثال دیکر اُن پر بہتان لیتے ہو شعر کے معنی تو آپ نہیں سمجھنے۔ اور بزرگوں کو الزام دیتے ہو۔ اور یہ ترجمہ سمجھتے ہو کہ معنی کو صورت کے وسیلے سے قیام ہے۔ حضرت اِس کے معنی مجھ سے سنیئے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اے شخص اگر تو ہوشمند ہے تو معنی کی طرف میل کر کیونکہ معنی کو صورت کے بسنت قیام ہی پس جس چیز کو ثبات نہ ہو اُس پر دل لگانا عبث ہے۔ اگر بالفرض صورت یعنی تدبیر کو آپنے باعث شناختِ معنی قرار دیا اگر خادمیت سے اب بھی باہر نہیں ہوتے اُسی کی ذاتِ ابدحیات کو فوق رہا۔ آپ نے جو کچھ تدبیر کے اوصاف بیان کئے یہ کل عوارض ہیں اور عارضیاتِ سریع الزوال ہیں۔ اے حضرت اس دو دن کی بہار پر کیا ناز کرتے ہو۔ **مصرع**

اُڑجائینگے ہوا کیطرح دن بہار کے

اور آپ نے حرف مختلف میں جو بحث کی ہے۔ اُس کا بھی جواب دیتا ہوں حضرت آپ ناحق پاؤں پیٹتے ہیں۔ باوجودیکہ آپ کی زبان سے قصور کا اعتراف پایا جاتا ہی مگر اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے۔ **شعر**

رہا ٹیڑھا مثال نیش کژدم کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

یوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ حرف **ق** سر قدرت اور انتہائے حق ہے۔ یعنی جو کچھ قدرت حق ہے وہ تقدیر میں موجود ہے۔ دوسرے اس طرح بھی اسکی فوقیت ثابت ہوتی ہے کہ **ب** کے دو عدد ہیں اور **ق** کے نئو اگر دو عدد نئو سے فایق ہوں تو آپ سچے ہیں اور میں جھوٹا۔ ورنہ اس کے برعکس جانیئے گا۔ تیسرے یہ کہ حرف **ب** سر بربادی اور پائے عذاب ہے۔ یعنی جس شخص نے تدبیر کی پیروی کی اور فاعل حقیقی کو بھول گیا وہ برباد ہوگا اور عذاب سہیگا۔ حضرت یہ ارمان نکلنا مشکل ہی کہ آپ میری ہمسری کا دعوے کریں۔ بس حق کی یاد سے دل شاد کیجئے۔ اور گوشہ قناعت

کو آباد جب آپکا یہی بخت اور یہی لہنا ہے تو پھر اس مصیبت کا کیا کہنا ہے کہانتک لڑو گے کب تک سخن پروری کرو گے۔ تم مجھ سے کہیں جیتو گے یوں ہی جل جل کے مرو گے۔ **قطعہ**

صبح عشرت کی شام ہوتی ہے — وصل کی شب تمام ہوتی ہے
ہاں اجل آ جو آج آنا ہے — انجمن اختتام ہوتی ہے

درخواست مدبر

جناب مقدرالدولہ صاحب اس تقریر اور اس ڈھنگ سے تو قیامت تک بھی فیصلہ ہونا دشوار ہے۔ نہ آپ ہی ہارتے ہیں نہ بندہ ہی ہٹتا ہے اپنی دانست میں تو میں نے آپ کو کئی دفعہ بند کر دیا ہے۔ مگر آپ کب مانتے ہیں دوسرے جن صاحبوں نے یہ مباحثہ سنا ہے وہ بھی برابر تصور کرتے ہونگے۔ کیونکہ ان سب درباریوں کی اُلٹی سمجھ ہے تماشا دیکھنے کو تو آجاتے ہیں مگر حق و باطل کی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ یہاں میں بھی ناچار ہوں ایک جھوٹ سو کو ہرا تا ہے **شعر**

کہے ہے اور بیگانہ یگانہ اور کہتا ہے — دل اپنا اور کہتا ہے زمانہ اور کہتا ہے

بادشاہ کے پاس تشریف لے چلئے اور سارا ماجرا سنا کر اُن سے بھی صلاح لیجئے۔ اگرچہ حضور آپ کی پچ کریں گے اور میں بھی یہ جانتا ہوں کہ آج تک میرا دانا پانی تھا اب نہیں رہا **شعر**

خواب تھا جو زندگی جاہ وحشم میں کٹ گئی — ورنہ ساری عمر اپنی رنج وغم میں کٹ گئی

بس اسکا انفصال انہیں پر موقوف رکھنا چاہئے یہ ہی ایک آزمایش ہے جو کچھ کرے خدا ہم تو اب چلکر ساری مصیبت پھر کہتے ہیں کہ حضور کی تعمیل حکم سے یہ کچھ رنج دیا ہے کہ ہم دونوں میں مفت دشمنی ہو گئی۔ **شعر**

ہوشیار اے آسماں نالے اثر کرنیکو ہیں ہم انہیں بیتابیٔ دل کی خبر کرنیکو ہیں

منظوری مقدر

حضرت آپ شوق سے تشریف لے چلئے خدانخواستہ آپکا دانا پانی کیوں اُٹھنے لگا ہے یہ تو آپ کے اختیار میں ہے کچھ تقدیر کے بس میں نہیں ہے جو نا اُمید ہو کر چلتے ہو اور اگر پادشاہ تقدیر کے اختیار میں بھی ہے تو یہ آپ نے کیونکر جانا کہ وہ موقوف کر دے گا۔ بہت کریگا دوسرا عہدہ نہیں دیگا۔ **شعر**

معلوم نہیں تجھ کو تدبر خبر غیب یہ بند دکاں ہے نہ کھلی ہے نہ کھلے گی

میں خود اسی آرزو میں تھا کہ وہ کونسا دن ہو گا جو پھر اپنے پادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کار متعلقہ کروں گا اور اب بھی **شعر**

اُنکی خدمت میں دیکھئے تقدیر کب مجھے بار یاب کرتی ہے

غرض اب دونوں صاحب اپنی اپنی رضامندی سے متفق ہو کر عین نوروز کو بادشاہ کی خدمت میں چلے باب دوم تمام ہوا۔

باب سوم در قول فیصل معروف بہ کنز الحکمت

عرض مُدبر بیت

خوب زور و شور سے بکے تو آتی ہے بہار — دیکھیں دیوانوں کے سر کیا رنگ لاتی ہے بہار

سبحان اللہ کیا مبارک ساعت اور کیا فرخندہ روز ہے کہ آج محقق شاہ جشن نوروزی کے واسطے مسند عشرت پر رونق افروز ہے ایک تو نوروز کی خوشی دوسرے بادشاہ کی زیارت کیوں نہ قران السعدین کی بشارت ہو لے بادشاہ عالیجاہ یہ مدبر دادخواہ نہایت چاہ اور اُمنگ سے حضور کے دربار معدلت آثار میں حاضر ہوا ہے چونکہ آپکا فرمان آپکا ارشاد سب پر غالب ہے اسلئے یہ غلام یہ خادم یہ ناشاد بھی انصاف کا طالب ہے ؎

مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار — ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو — تو وا کرے اُس عقدے کو سو بھی بہ بشارت
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر — گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا — ہے فخر سلیماں جو کرے تیری وزارت
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل — ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر — قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت
نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں — نظارگیِ صنعتِ حق اہل بصارت
تجھ کو شرف مہر جہانتاب مبارک — اور مجھ کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

امیدوار ہوں کہ آج میرا اور مقدر کا فیصلہ ہو جائے پس ہم دونوں طبع آزمائی سے باز آئے اور کوئی حسرت باقی نہیں رہی اب صرف حضور کی تصدیق درکار ہے **شعر**

ہرچہ فرمائی براں راضی شویم — در پئے حکمت بپائے سر رویم

عرض مقدر

الٰہی یہ روز قسمت ہے یا پادشاہ کی رحمت کہ مجھ سے ناچیز مقدر کو سرخروئی سے یہاں آنا نصیب ہوا سچ ہے جہاں ہمیشہ رحمت حق نازل ہو وہاں کیوں نہ عالم عالم نشاط و جہاں جہان انبساط حاصل ہو تعالی اللہ کیا خوب طلوع صبح سعادت ہے کہ مراد خواستہ ہمکنار اجابت ہے ؀

قصیدہ

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالمتاب کا منظر کھلا
بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
تاج زریں مہر تاباں سے سوا — خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
شاہ روشن دل محقق شہ کہ ہے — رازِ ہستی اُسپہ سرتاسر کھلا
مجھپہ فیض تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک — میری حد وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ قفل بے کلید — کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار — مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا
فکر اچھی پہ ستایش ناتمام — عجز اعجاز ستایش گر کھلا

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل   تم پہ اے خاقان نام آور کھلا
تم کرو صاحب قرانی جب تلک   ہے طلسم روز شب کا در کھلا

جنابعالی جب مدبر الدولہ کی خوب حسرت نکل چکی اور میں بھی تقریر کرتے کرتے تھک گیا۔ تو وہ آپ سے بولا کہ اسکا فیصلہ بادشاہ کے سوا کسی اور سے نہیں ہوگا وہاں چلکر اپنا اپنا حال بیان کرو حضرت یہ تو آپکو روزنامچے سے معلوم ہوتا رہتا ہوگا دوبارہ کہنے سے تضیع اوقات ہے جو کچھ حضور انصاف کی رو سے ہم دونوں کے حق میں مناسب جانیں وہ کریں۔ **شعر**

سپردم بتو مایہ خویش را   تو دانی حساب کم و بیش را

جواب بادشاہ

شہنشاہ سخنور نکتہ پرور نے یہ سارا حال اول سے آخر تک سنکر ارشاد فرمایا کہ اس وقت تم دونوں وزیر موجود ہو میں بھی اپنا منشا بیان کرتا ہوں۔ اور اگر پہلے سے تم دونوں کا انفصال کر دیتا تو ہر ایک اپنے اپنے دل میں رنجیدہ خاطر ہوتا اور یہ کہتا کہ ہمارے دل میں رہی ایک بھی ہوس نہ نکلی۔ کوئی گمان کرتا بیشک میں جیت جاتا اور کسی کو یقین ہوتا کہ کوئی میری بات کا جواب نہ دیسکتا۔ اب تم دونوں اپنا اپنا غبار نکالکر آئے ذرا غصہ کم ہوا ہے شاید نصیحت بھی کارگر ہو کیونکہ دنیا میں سب مبتلائے خواب غفلت ہیں کسیکو اپنے برے بھلے کی خبر نہیں ہاں جب انسان کچھ کر بیٹھتا ہے تو پیچھے پچھتاتا ہے آدمی صرف دو وقت ہوشیار ہوتا ہے۔ ورنہ ہمیشہ غفلت میں پڑا رہتا ہے اور وہ دونوں موقع یہ ہیں کہ اپنے کسی عزیز قریب کو مرتے ہوئے دیکھے تو اس وقت اپنے افعال پر نظر کرنے سے عبرت ہوتی ہے کہ میرے واسطے بھی ایک دن یہی

دھرا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب اس سے کوئی معصیت یا خطائے بزرگ ہو جاتی ہے اور اس کو بُرا جانکر پشیمان ہوتا ہے تو البتہ اس وقت بھی کچھ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی اس کیفیت کو قیام ہوتا تو کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوا کرتا۔ اس کا باعث صرف غفلت ہے کہ پھر مدہوش ہو جاتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی توجس طرح انسان زیان دنیوی اختیار نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح نقصان اُخروی بھی نہ قبول کرتا **قطعہ**

گندم ہے سینہ چاک فراق بہشت میں　　آدم کو کیا نہ ہو گی محبت وطن کے ساتھ
ممکن نہیں ہے ذوق علایق سے چھوٹنا　　جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کیساتھ

اب میں تم کو سمجھاتا ہوں ذرا غور سے سنو اور اس پر عمل کرو تو بہتر ہے۔ **شعر**

جو تمہیں منظور ہے کرنا وہی پر ایک بار　　سن تو لو صاحب مری تقریر کو اچھی طرح

میرے نزدیک ہر طرح سے تم دونوں کا یکساں مرتبہ ہے اور تقدیر و تدبیر میں نام کے سوا کچھ فرق نہیں ہے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ دونوں کسکے تابع ہیں اور ان کا کیا کام ہے پھر ان دونوں کی نسبت دیکھنی چاہیئے کہ تدبیر اور تقدیر کو قضا سے کیا نسبت ہے بعد ثبوت مراتب اپنے اپنے کار متعلقہ میں مصروف و مشغول ہونا چاہیئے۔ اب بہت لڑ چکے میعاد پوری ہو گئی پھر تمہاری کوئی نہیں سنیگا جو اس سے دادخواہ ہوگے

بیان قضا و قدر

قضا اُس حکم اولین کا نام ہے جو مخلوقات کے واسطے دفعتہً واقع ہوا ہے اور قدر وہ ہے جو اُس حکم اولین کے موافق وقتاً فوقتاً باموقع بموقع بتدریج ظہور ہوتا ہے یعنی قضا حکم مجمل اور قدر حکم مفصل ہے گویا یہ امر ہے وہ مامور علی ہذا القیاس تدبیر بھی مرادف تقدیر ہے اور یہ دونوں قضا کی فرماں بردار ہیں اب ایک ایسی مثال دیتا ہوں کہ سبکی

سمجھ میں آجائے۔ فرض کرو کہ ایک زمیندار نے کہیں بنولا پڑا دیکھ کر پگڑی بنوانے کی لالچ سے فوراً اٹھالیا اور گھر لاکر بودیا۔ جب اُس کا درخت بڑا ہوا اور پھل بھی آ گئے۔ تو اُس نے ایک وقت میں اُسکی روئی نکالی دوسرے وقت میں صاف کی۔ پھر کتوا کر پگڑی بننے کو دی جب وہ طیار ہو کر آگئی تو یہ سارے کام قضا و قدر کے موافق ہو گئے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اب وہ پنبہ دانہ اپنی اصل سے دوسری اصل میں آگیا۔ بلکہ یہ سمجھے کہ اتنی باتیں اُس کے اٹھانے سے منظور تھیں اور اُسمیں ان باتوں کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ اُس نے استحالہ قبول کر کے دوسری شکل بدلی ہے۔ مگر چاہو کہ اُس کی سرشت میں فرق آگیا ہو یا روئی سے دوسری چیز کا کپڑا کہلائے تو یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اب اس میں دیکھنا چاہیئے کہ قضا کونسی بات ہوئی۔ اور تقدیر و تدبیر نے کون کون سی باتیں کیں۔ قضا اُس زمیندار کا بنولا اُٹھا کر اپنے مفہوم کے موافق بونا ہے۔ اور اس کا نشوونما پانا یہ قدر میں داخل ہے اور اُس کو صاف کر کے بُنوانا یہ تدبیر ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ قضا حاکم ہے اور تقدیر و تدبیر دونوں محکوم ہیں اور کل محکوم مرتبے میں برابر ہیں جیسے ایک کل سے اُس کے جملہ اجزا بحیثیت جزئیت ایک نسبت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور طرح بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تدبیر پس و پیش سوچنے کو کہتے ہیں اور یہ کام عقل سے متعلق ہے اور عقل نفس ناطقہ باکیفیت بہترین کو کہتے ہیں اور یہ عین حکم خدا ہے بعضی کتابوں میں لکھا ہے کہ خدائے عزوجل نے اٹھارہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ اُن میں سے دس چیزوں کا تو صرف آپ ہی فاعل ہے اور باقی آٹھ چیزیں ماں باپ کے وسیلے سے پیدا ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو دس چیزیں پیدا کی ہیں وہ یہ ہیں۔ روح۔ دم۔ عقل۔ نفس۔ نطق۔ سمع۔ بصر لمس۔ ذوق۔ شم۔ اور باقی آٹھ چیزوں میں سے یہ چار باپ کے ذریعے سے پیدا

ہوتی ہیں۔ منی۔ رگ۔ استخوان۔ مغز اور یہ چاروں ماں کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔ پوست۔ گوشت۔ خون۔ موے اندام پس جو چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں ان میں عقل یعنی تدبیر بھی داخل ہے۔ غرض نفس ناطقہ فرشتہ کی مانند ہے اور فرشتہ گناہ سے پاک ہے وہ کسی طرح حکم خدا کے خلاف نہیں کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح تقدیر بھی حکم خدا ہے جو قبل از ظہور عالم ہر ایک کے واسطے لکھا گیا ہے چونکہ خدا کا حکم قدر و منزلت میں یکساں ہے اور یہ دونوں بھی خدا کے حکم ہیں۔ اب دونوں کو برابری کا دعوے ہو گیا۔ تیسری ایک دلیل اور بھی یاد آگئی تم جانتے ہو کہ ہر شے راجع بمرکز اور ہر فرع مائل بہ اصل ہوتی ہے جس وقت انسان امور دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر کسی کام کے سرانجام میں تامل و تفکر کرتا ہے تو اس کار کی اصل معلوم ہو جاتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ صاف ہو گی اُسی پر کشش زیادہ اثر کرے گی۔ دیکھو اگر آئینہ سے آئینہ ملا کر اوپر تلے رکھدیں تو اُس کے اُٹھانے میں ایک نوع کا تکلف پایا جائے گا۔ اور جدا کرنے کے وقت کچھ چسپیدگی بھی معلوم ہو گی۔ اور اگر کوئی نامصفا چیز کسی شے کے مقابل ہو گی تو اُسکے جدا کرنے کے وقت کچھ بھی اثر معلوم نہ ہوگا۔ پس جس آلودگی یا آلایش کی وجہ سے یہ اپنی اصل سے دور پڑا تھا اب مصفا ہو کر جو اُس کی طرف راجع ہوا تو اس کام کی حقیقت نے حسب نوشتہ ازل کہ وہ اسکی اصل یا مرکز ہے اپنی طرف کھینچا اور اس سے اُسی کے موافق صلاح نکلی چونکہ اس وقت یہ اپنی اصل سے پیوستہ اور مرکز سے وابستہ تھا اس میں وہی اثر ہو گیا اور اپنی قسمت کے موافق کرنے لگا پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ تقدیر اور تدبیر میں کچھ فرق نہیں ہے یہ بھی ازل کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ بھی اُسی طرف مائل ہوتی ہے۔ شعر

ہر جزو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال   دریا سے در جدا ہے یہ ہے غرق آب میں

کہتے ہیں افلاطون نے سناروں کے محلے میں گھر لیا تھا جب لوگوں نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس واسطے یہاں مکان لیا ہے کہ جسوقت نیند کا غلبہ ہو اور میں فکر و مطالعے سے باز رہوں تو ان کی کھٹ کھٹ میری آنکھ نہ لگنے دے اور میں اپنی اصل سے بیخبر نہ ہوں وصایاے افلاطونی میں جو اُس نے اپنے شاگرد ارسطاطالیس کے واسطے کچھ باتیں لکھی ہیں مرقوم ہے۔ کہ عطیات الہی میں سے کوئی چیز حکمت سے بہتر نہیں ہے اور حکیم وہ شخص ہے جسکا فکر و قول و عمل متساوی و متشابہ ہو۔ اے ارسطاطالیس حکمت دوست ہو اور حکیموں کے قول سنتا رہ دنیا کی خواہش کے پاس مت جا اور آداب ستودہ سے ہرگز احتراز نکر۔ بخت کا کچھ بھروسا نہ جان اور افعال نیک سے پشیماں و اقوال بد سے شاداں مت ہو خدا سے ایسی چیز مانگ کہ تو اس کے نفع سے باز نہ رہے۔ اور اس بات کا یقین رکھ کہ کل مواہب اُسی کی طرف سے ہیں اُس سے ایسی نعمت پاینده و باقی کا خواہاں ہو کہ تو کبھی اُس کے فایدے سے خالی نہ رہے ہمیشہ ہوشیار رہ کہ شر اٹھتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ خداے تعالی کے انتقام کو غضب و عتاب سے تصور نہ کر بلکہ تادیباً سمجھ۔ یہ قول بھی اسی بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تقدیر اور تدبیر دونوں پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ نہ یہ اُسکے خلاف ہے نہ وہ اُسکے مخالف اب تم کو مناسب ہے کہ اسی قول پر اکتفا کرکے اپنے کاروبار میں مصروف ہو صاحبو اتفاق عجیب چیز ہے کہ اس سے ہزاروں طرح کے فایدے نکلتے ہیں نا اتفاقی میں رکھا کیا ہے ناحق ہمچشموں کی آنکھوں میں حقیر ہوگے ہو دیکھو بغض سے برباد ہوجاؤ گے۔ **شعر**

ز اتفاق مگس شہد مے شود پیدا — خدا چہ لذت شیریں درا اتفاق نہاد

القصہ دونوں اس فیصلے پر راضی ہوگئے اور مدبر یہ شعر پڑھکر بغلگیر ہوا **قطعہ**

... دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو ملجاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم کہتے تھے

اور مقدر پہ شعر پڑھ کر ملا شعر

صلح کی ٹھیر اپنے اب تو لڑائی ہو چکی۔
ہو چکی صاحب محبت آزمائی ہو چکی۔

خاتمہ

ہم لوگ آجکل تقدیر کے معنی سمجھنے میں بڑی غلطی کرتے ہیں ہمارے ذہنوں میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ قسمت یا نصیب ہر ایک انسان کے وہ مکنون اعمال یا صدور ناکردہ افعال ہیں جو وقتاً فوقتاً ہر طرح خواہ اُنکا ارادہ کرے یا نہ کرے ضرور ظاہر ہو کر رہتے ہیں مثلاً کسی شخص کی سرنوشت میں بادشاہ ہونا لکھا ہے تو اُس کے پاس لاؤ۔ لشکر دھن۔ دولت ہو یا نہو مگر وہ بادشاہ ہو کر رہیگا۔ ہمارے مقدر میں آج ہزار کوس پر جا کر مرنا ہے گو وہاں تک پہنچنا کسی طرح ممکن نہیں۔ مگر ہماری تقدیر اور کچھ نہیں تو برقی قوت ہی بنکر ہمیں اڑا لے جائے گی۔ اور وقت معینہ پر پہنچا کر وہیں ہماری جان لیگی کوئی ہمیں سات قفلوں میں بند کر دے گا جب بھی ہمارا رزق پہنچکر رہیگا۔ ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں ہمارے کرموں میں فاضل ہونا ہے تو بن پڑھے ہی فاضل ہو جاینگے۔

حالانکہ ہمارے یہ خیال سراسر غلط بے اصل اور بے بنیاد ہیں اِن معنوں میں جو تقدیر کا لفظ مستعمل ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے دل ناشکیبا کا ایک وہمی غم غلط دوست اور ہماری کاہل طبیعتوں کا دوست نما دشمن ہے۔ یہ وہی کمبخت نصیب ہے جو ہم کو ہمارے بُرے افعال پر نادم اور تلافئ مافات پر مائل نہیں ہونے دیتا۔ یہ اُسیکا نقصد تھا کہ ہم کبھی امر میں کوشش نہیں کرتے اور روز بروز کاہل سُست کم ہمت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ شاید امن کے زمانہ سے پیشتر جنگجو بادشاہوں کو یہ بات سوجھی ہو کر فوج میں

لڑوانے کے واسطے ایک ایسی حکمت عملی بھی ضرور ہے۔ جس سے جان نثار سپاہی اپنی جان دینے میں دریغ نہ کریں اور اس خیال سے اگر عُمر کی پوری ہے تو میدان جنگ یا نبردِ حرب سے بھی تلواروں کی چھاؤں میں سے اپنی جان لیکر ٹھنڈے ٹھنڈے چلے آئیں گے۔ اور جو قضا کا سامنا ہے تو گھر بیٹھے بھی بن لڑے کھیت رہینگے اِس سے بہتر ہے کہ اپنے آقا کی خوشی کریں اور بیچ میدان میں لڑکر مریں تاکہ مردوں میں نام لکھا جائے۔ ہم نہیں تو ہماری اولاد ہی چین اُڑائیے اور جو بچ گئے تو بہادری کا انعام نمکحلالی کا خطاب مال غنیمت نفع میں رہا۔ **ذوق**

کہا پتنگ نے یہ دار شمع پر چڑھ کر   بڑا مزا ہے کہ مریئے کسی کے سر چڑھ کر

بہرحال ہم لوگوں نے نصیب کو برائی بھلائی کا پالا سمجھ کر اسی پر سارا بوجھ ڈال رکھا ہے اور آپ چاند سا منہ لیے بیعزت بنے پھرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر واقعی تقدیر کے یہی معنے ہوتے تو کوئی شخص کبھی گنہگار نہ ہوتا نہ کسی مذہب کا شارع یا حاکم ارتکاب جرم پر کوئی حد لگاتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے تقدیر کے معنی اُس کے برخلاف لگا رکھے ہیں۔ درحقیقت تقدیر وہ اندازہ قدرت یا مادہ فطرت ہے جسے خدا تعالی نے ہر ایک چیز میں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز جب تک اپنی اصلی حالت پر رہتی ہے کبھی اپنی مادی خاصیت اور اثر کو نہیں چھوڑتی۔ تقدیر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گیہوں سے جَو اور جَو سے چنا پیدا ہو جائے ہاں اگر تم گیہوں قاعدے کے موافق زمین میں بوؤ گے اور پانی وغیرہ سے اُس کی خبر لیتے رہو گے تو تقدیری میعاد پر ضرور جھولیاں بھر بھر کر اٹھاؤ گے چاہو کرپوتل میں بھر کر رکھدو اور وہیں درخت پیدا ہو کر گیہوں کے بہت سے بال بچے ہو جائیں سو یہ معلوم۔ تم جن وسائل سے گیہوں میں اُگنے کی صلاحیت بہم پہنچاتے ہو انہیں اسباب کا نام تدبیر ہے اور جس مادے کے باعث سے وہ بڑھتا اور پروان چڑھتا

ہے۔ اِس کا نام تقدیر۔ اب اسیطرح اور باتوں کو دیکھو ازروئے تقدیر بادشاہ ہو جانیکے یہ معنی نہیں ہیں کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دفعہ ہی اہالی موالی آموجود ہوئے۔ اور سیر پر تاج رکھکر کہدیا کہ ملک حاضر ہے ہم تو حضور ہی کی تلاش میں تھے البتہ سوانگ میں تو یہ بات ممکن ہے مگر تقدیر ایسی اندھی نہیں ہے جو ہم کو بے کوشش اور بلا وسایل بادشاہ بنا دے۔ قدرت نے ہم کو وہ مادہ ضرور عطا کیا ہے کہ اگر ہم اُسے کام میں لائیں تو تجربہ کرتے کرتے شاہانہ انتظام و عادلانہ انصاف کرنے لگیں۔ کیونکہ بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے ماتھے پر کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے تمام خلایق ہماری طرف رجوع ہو کر ہمیں اپنا بادشاہ مان لے اور ہمارے ماتھے کی ایک ایک لکیر درفش کاویانی بن جائے۔ ہمارا مقدر کبھی ایسی غلط کاری نہیں کر سکتا کہ ہمیں آدمی کی صورت میں رکھکر ہزار کوس پر تصویر یا برق کی طرح پہنچاکر مارے ہاں روح جو ایک لطیف حرارت ہے جس وقت جسم سے جدا ہوگی اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا چڑھتی اور اوڑتی چلی جاویگی۔ رزق بیشک ہماری زندگی کا مدار اور ہماری تقدیری خوراک ہے مگر تاوقتیکہ ہم اپنے منہ میں ڈالکر حلق سے نہ اتار جائیں۔ کبھی ہمارے پیٹ میں پہنچکر جسمانی قوت نہیں بخش سکتا۔ تم سات قفلوں میں بند ہونے پر بھی اُس کا پہنچنا ممکن سمجھتے ہو میں صرف ایک منہ سید ینے سے بھی اسکا شکم میں داخل ہونا محال جانتا ہوں۔ عالم اور فاضل ہونے کا مادہ بیشک انسان میں عطا ہوا ہے وہ اپنے خیالات تصورات ذہن۔ حافظہ وغیرہ کو فکر کی مشق سے مانجھ سکتا ہے۔ مگر چاہو کہ جسطرح مچھلی کا جایا بن سکھائے تیرنے لگتا ہے یہ بھی از خود قلم لیکر لکھنے کتاب اٹھا کر پڑھنے اور بے مس ہوئے سمجھنے سمجھانے لگے سو یہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا جسے علم لدنی کہتے ہیں وہ بھی ایک فطرتی ذہنی صفائی کا نام ہے۔ پس ان

دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہیت جسے ہم تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں ہرگز نہیں بدل سکتی اور صورت یا کیفیت جسے تدبیر عوارضات میں شمار کرنا چاہیئے منقلب ہوسکتی ہے۔ کسی جرم کے ارتکاب پر جو ہم کو سزا ملتی ہے وہ اس امر کی نہیں ملتی کہ خدا تعالیٰ نے جو تم میں ایک مادی خاصہ پیدا کیا ہے اُسکا ظہور کیوں ہونے دیا۔ بلکہ اس امر کی سزار ملتی ہے کہ تم جو اسکے نکرنے پر مجاز تھے تو اُسے بیمحل کیوں صرف میں لائے مثلاً عورت اور مرد میں ایک فطرتی مادہ ہے کہ جس کے وسیلے سے دونوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ مگر اس سلسلہ چلانے کے واسطے جو ایک خاص منکوحہ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس کے خلاف کرنا قوم کا گناہ ہے اور اسکی سزا ملنی واجب ہے۔ یہ جو کہا کرتے ہیں کہ تقدیری امر ہو کر رہتا ہے اور ہونی بلوان ہے۔ اس سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ فطرتی فعل ہو کر رہتا ہے۔ مگر ارادے کے ہم مختار ہیں مرچ جب کھائیں گے۔ منہ جلائیگی۔ کیونکہ تیزی اور چھاسجہ اُسکی فطرت میں ہے مگر منہ میں ڈالنے نہ ڈالنے کا ہمیں اختیار ہے کیونکہ ہم فعل مختار ہیں۔ اسیطرح ہر ایک بات کو خیال کر دو۔ اور یہ نکتہ پیش نظر رکھ کر کہ خدا تعالےٰ نے انسان کی فطرت میں جو باتیں پیدا کی ہیں اور جس امر کا مادہ بخشا ہے وہ ہر ایک انسان میں ہے ہم خیال نہیں کر سکتے کہ یونان کے رہنے والے ہی عقل اور تدبیر میں بڑھ سکتے ہیں یا اہل انگلینڈ کے حصہ ہی میں دانائی آگئی ہے نہیں ہم بھی اگر انسانی مادے کو کام میں لائیں تو ویسے ہی بن سکتے ہیں کیونکہ انسان سب ایک ہیں۔ البتہ مختلف الطبایع و مختلف الرائے ضرور ہیں اگر اختلاف طبع نہ ہوتا تو یہ طرح طرح کی صنعتیں جو تم دیکھ رہے ہو ایک بھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ اور یکساں طبیعتوں کے ہونے سے یہ اتنی ساری کیفیتیں اور صنعتیں ایک وقت یا ایک زمانہ میں ہرگز ظہور پذیر نہ ہوتیں سینکڑوں باتیں مکنون و مخزون رہ جاتیں اور انسان اپنی عمر پوری کر کے اسی حسرت میں چلا جاتا یہ جین

حکمت ہے کہ اُس نے ہم کو مختلف الطبایع تو بنایا مگر مختلف الفطرت نہ بنایا +

اے میرے پیارے طالبعلمو! تم ہرگز یہ خیال کرکے ہمت نہ ہارو کہ ہماری تقدیر میں ہی علم نہیں ہے جو ہم نہیں سیکھ سکتے یہ تمہاری کم ہمتی ہے ـ چیونٹے کو دیکھو اُسکے اپنے بوجھ سے کتنا زیادہ بوجھ ہوتا ہے اور وہ اُسی کو دیوار پر چڑھا لیجاتا ہے ـ اگر سو مرتبہ کوئی دانہ اُسکے منہ سے چھوٹکر نیچے گرجاتا ہے تو سو ہی دفعہ اترتا ہے اور اسے لیکر آخیر کو چڑھ جاتا ہے ـ اکثر طلبار دو دو تین تین مرتبے فعل ہوتے ہیں ـ مگر انجام کار ہمت نہ ہارنیکے باعث گل مراد لیکر ہی اُٹھتے ہیں ـ پس تم ان باتوں کو زیر نظر رکھکر ہر ایک امر میں کوشش کرو ہمت باندھو اور کامیاب ہوکر خوشی مناؤ +

پند منظوم

درضمنِ آں برخے از احوالِ خویش کہ درایام طالب علمی بہ ۱۸۹۴ء تحریر نمودہ بودم برائے افادہ طلباء مدارس داخل کثیر الفوائد مے نمائیم

دلِ زیردستان مرنجان پسر ‌ ‌ ‌ ‌ که بارے ز دستے در آئی بسر

کسانرا تو خاطر میازار باش ‌ ‌ ‌ ‌ دلِ ہر کہ دمہ نگہدار باش

وگر ناگہ افتد ز دستت کسے ‌ ‌ ‌ ‌ بپاداشش یک عذر خواہی بسے

مرا طبع ہم بس دل آزار بود ‌ ‌ ‌ ‌ چہ دلہا بہ طفلی ز من زار بود

چو آخر ز کردہ سزا یافتم ‌ ‌ ‌ ‌ دگر گرد آزار نشتافتم

بپاداش آن رنج دیدم بسے　　بجرم یکے غم کشیدم بسے
بیا اے نکو رائے و خوش سیر　　کنوں ز عہد طفلیت گویم خبر
ز شوخی بہ مکتب بُدم بے نظیر　　باطفال مکتب خطابم شریر
ہمہ راز من بود خاطر پریش　　کہ استاد را بود دستم بریش
رخ سرخ آناں ز تخویف زرد　　دل نرم آنہا ز سہمم بدرد　　زسہم / زبیمم
گہے از زباں زجر شاں کردمے　　گہے ہجر آں بیکساں کردمے
گہے مشت بر پشت شاں میزدم　　بخود باز نعرہ فغاں میزدم
کہ اطفال مکتب چساں مے کنند　　خودم مے زنند و فغاں مے کنند
ندیدم ازیں کودکاں ترشریر　　کہ فرعون زا وند و ابلیس پیر
چو ہر طفل خالی ز خوفم نبود　　ہمہ گفتہ ام را بسر مے نمود
بسابق چناں اعتبارم فزود　　کہ ہر یکے گر شکایت نمود
وبفورا　ہمہ را بزودی طلب ساختے　　ز پیش بازو کوب پرداختے　　زدوکر
بسے بردم من اے طفل صاحب ہنر　　بدیں نہج چندیں زمانہ بسر　　انفصال
بہ بیں بارو ثمرش چساں شد عیاں　　کہ دیدہ نباشد کسے در جہاں
کنی گر دمے با تامل نظر　　بگویم ازاں ہم لشتہ خبر
کہ روزے یکے طفل را میزدم　　جفا کردم و ناسزا میزدم
بہ نزدم درآمد یکے مرد شیر　　بجثہ قوی و بصورت دلیر
کہ ایں طفل و آنکس چناں دوست بود　　تو گوئی دو مغز و یکے پوست بود
از ابدا بسابق ز من ربط بود　　ولے چشم یاری برو خبط بود
چناں گفت زاں طفل دانا شفیق　　بدریائے عشقت چسانم غریق
کہ از ہستئے خویش آگہ نیم　　بروے وجودت نگویم کنم

بجز درد عشق تو اے مهربان   مرا نیست کارے بدیگر کسان
کجا خصم کاید بمیدان در   که هستم به نیروے رستم دگر
بهر جا که شمشیر سازم علم   نمایم صدها خصم را سر قلم
چو بر فرق دشمن زنم بیخلاف   در آید ز سر تیغ تا زیر ناف
مپندار ما را ز خامی دلان +   منم رستم عهد و شمشیر زبان
سخنهاے ما را همه راست دان   که روشندلی تو چو روشندلان
من آنچه بگفتم برون از ریا است   که اقوال مردان سراسر صفا است
ودان چنین که آن یار خاموش ماند   چنان طفل گفت و فراموش ماند
که اے پر ز طن لاف یاری مزن   نه بیش تو این میزنند بر دهن
کلامش شنید و بگفتا چنان   ببین لاف موی تو اے مهربان
همان دم بدم گفتن آغاز کرد   در لوم و دشنام را باز کرد
تو کے یار باشی که بر یار من   گزندے پسندی و آزار من
ندانی که یاران صافی دلان   بسازند بر عرق خون را فشان
ولیکن تعجب هزاران هزار   که این را تو کردی فراموش یار
کسانیکه از دوست گردیده اند   بسے جور بردند و غم دیده اند
ز تندی بگفتا که اے بیوفا   تو این را چرا می زنی بے خطا
بیا تا چه داری بخاطر گمان   ز مردی دزدی آمدی اے جوان
چنان گفت و عالم بسے دار کرد   دو دستم بر بست و قبا تار کرد
مرا چون کشید او بسر پنجه خویش   ندیدم دگر دور در پنجه خویش
بجز این سخن هیچ چاره نه بود   که از دست او هیچ یارا نه بود
خدا را به بخشا تو این بنده را   که حق دوست دارد نوازنده را

خطایم بیا مرزد و بندم رہاں
چو غوغا نمودم من از دست جفت
بایں دم چرا میکنی یار شور
بدو گفتم اے یار فرخنده خو
ندانسته بودم من ایں روز را
چو بشنید یار من از من سخن — بیرنج و محن
پس عزتم کرد و تکریم کرد
که من هم بعهد شباب ایجوان
که آمد یکے تند خو بر جفا
چو او دست او من بخوردم قفا
بیا احمد اکنوں تو در هوش باش
ز پند و نصیحت که داری بدل
دلا گر تبرسی ز آه غریب
ببیں تا چه نادر سخن گفته ام
توانا ستم بر غریباں مکن — بلند گنبد
بروں ز امر یزداں منه یکقدم
بشو خاک گر مردمی ایں زماں
اگر هوشمندی سر هوش گیر
ندانی که مردان راه خدا
بجز امر حق اندریں کهنه دیر

کنوں کامدم من ز دستت بجان
یکے یار دیدو بخندید و گفت
کجا رفت طاقت کجا رفت زور
بگویم اگر کار سازی برو
که سختی بود مرد دلسوز را +
رہانیدم از دست گرگ کهن
مرا باز ایں قصه تعلیم کرد
بسے میزدم مشت بر ناتوان +
مرا زد همیں سیلئے بر قفا
دگر بار بر کس نکردم جفا
ز آزار مردم فراموش باش
بگو تا بیاراں نباشی خجل +
خدایت بماند برحمت قریب
که در سخن را همیں سفته ام[1]
مبادا کند زیر چرخ کهن
که آخر شود خلق یکسر عدم
نه آنگه که گویند مرد آں فلاں
وگرنه ببازی فراموش گیر
شمارند خود را حقیر و گدا
مکن تا همه کار باشد بخیر

[1] اے جوہر چیں در سخن و صنع سفته ام ۱۲

خدایا نگهدارم از چشم بد / مبادا که چشم بدانم رسد
خدایا بسازم بجنت مقر / بحق رسول تو خیر البشر
خدایا چشانم ز کوثر مرا / شراب طهور از ید مصطفی
خدایا به بخشا اتقا صغیر را / بحق رسول شفیع الورا +
ز عصیانست گر بر سرم بارها / ازاں فضل تو بیش باشد خدا
نگر بر خود و فضل بار آله / تو هرگز مبیں بر من و بر گناه
ز بس ارحم الراحمیں خوانده ام / خدایا به بخشا که در مانده ام

[illegible] ۱۲۲۰

بگوشے رسد در نایاب من
که بس بهر او خواب شد خواب من

تاریخ تصنیف کتاب

مرتب چو شد ایں کتاب عجیب / ندا از سر قدر هاتف بداد
بتوفیق دادار جاں آفریں / که فخر مدارس بگو آفریں

۱۰ ۱۱۸۵ = ۱۲۸۵

تاریخ عیسوی

چوں ز تاریخ سن هجری فراغت یافتم / در جوابش ایں ندائے غیب بر احمد رسید
هم بدانستم که سال عیسوی درکار هست / از سر احسن بگوئی حیرت گلزار هست

۱۸۶۸۷۱ = ۱۸۶۹

تمام شد

پیسہ اخبار لاہور

جسمیں ہر ہفتہ ملک کے تمام ضروری معاملات پر اعلیٰ درجہ کی رائے زنی کیجاتی ہے۔ اور انگریزی عربی ترکی وغیرہ اخبارات کے چیدہ مضامین درج ہوا کرتے ہیں اور جسکو تمام اُردو اخبارات سے زیادہ اور تازہ خبریں بہم پہنچانے کا فخر حاصل ہے جو بوجہ اپنی نہایت ارزان قیمت اور ہر دلعزیز پالیسی کے ہندوستان بھر کے تمام اُردو اخبارات سے زیادہ چھپنے والا ہے قیمت معہ محصولڈاک فقط اڑھائی روپے (عہ۲) پیشگی قیمت کی وصولی پر کئی ایک نادر کتابیں ہر ایک خریدار کو مفت ملتی ہیں۔

انتخاب لاجواب

دنیا کے تمام نہایت دلچسپ اخباروں، مفید کتابوں اور تحریروں کا عطر مجموعہ جسمیں ہزارہا ایسے قیمتی علمی اور عملی مضامین دل بہلاؤ اور تعلیم کیلئے درج ہوتے ہیں کہ جو اور کسی ذریعہ سے اور زبان میں مل نہیں سکتے ہیں ہندوستان میں کسی زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب یا رسالہ نہیں چھپا۔ اُردو زبان میں بے نظیر ہے جس کے ناظرین میں کئی قسم کے انعام تقسیم ہوتے ہیں اور نامہ نگاروں کو معاوضہ دیا جاتا ہے ہفتہ وار حجم ۴۸ صفحہ کلاں قیمت معہ محصولڈاک چار روپے (للعہ)

روزانہ پیسہ اخبار

روزمرہ تازہ بتازہ تاربرقیاں نہایت عمدہ لیڈر اور تازہ ترین خبریں دیتا ہے۔ ہر روز علاوہ دیگر تصاویر کے ایک نہایت دلکش کارٹون ہوتا ہے جو کسی روزانہ اخبار میں نہیں ہوتا۔ اسوقت تمام اُردو اخبارات میں مسلم لیڈر ہے قیمت سالانہ پندرہ روپے ماہوار سوا روپیہ۔

بچوں کا اخبار

انگلستان اور امریکہ میں کم از کم ایک سو اخبار بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق شائع ہوتے ہونگے۔ مگر اُردو زبان میں تمام ہندوستان میں ایسا ایک اخبار یا رسالہ بھی شائع نہیں ہوتا اس کمی کو پورا کرنے کیلئے بچوں کا اخبار بڑی آب و تاب کے ساتھ کارخانہ پیسہ اخبار سے ماہوار شائع ہوتا ہے اور اسے ملک کے تمام اخبارات اور اہل الرائے لوگوں اور محکمہ تعلیم کے اکثر افسروں نے بچوں کے اخلاق آداب اور تعلیم و تربیت کیلئے نہایت مفید تسلیم کیا ہے۔ کوئی بال بچہ والا گھر اس سے خالی نہ رہے قیمت سالانہ معہ محصولڈاک دو روپے چھ آنے (عہ۲)

(درخواستوں کا پتہ مینیجر پیسہ اخبار لاہور)